میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ یہ خدمت آپ نے اسلئے نہیں کی کہ آپ کی شہرت ہو بلکہ اس لئے کہ آپ تو خدمت ہی کو خدمت کا انعام سمجھتے ہیں۔ میواڑ کی تواریخ میں آپ کا نام حیات جاودانی رکھتا ہے۔

میواڑ کے ہر مرد و عورت، بچّے اور بڑھوں کی خدا سے یہ ہی دُعا ہے کہ وہ ہمارا ناصاحب کی عمر دراز کرے جس سے ملک۔ مذہب اور قومی بھلائی اسی طرح ہوتی رہے۔

تمام شد

نرم دل اور خنداں پیشانی شخص ہیں۔ ہندوستان کے بہت سے راجہ باہر اور جگہ خرچ کرتے ہیں اور ان کی رعایا کو پیٹ بھر کھانا بھی نہیں ملتا۔ اس نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو مہارانا صاحب کی زندگی مثال کی طور پر ہے۔ کتنا ہی بڑا اور نازک نکتہ کیوں نہ ہو مہارانا صاحب اس پر ایک مذہبی شخص کی طرح بڑے غور سے فیصلہ دیتے ہیں۔ آپ میں مذہبی تعصب بالکل نہیں ہے۔ ہندو ہوتے ہوئے بھی آپ کو کسی مذہب سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہندو مسلمان۔ عیسائی وغیرہ سب پر آپ کی ایک نگاہ ہے۔ میواڑ میں ہر مذہب کی رعایت ہے۔ ہندو مذہب کے علاوہ اسلام عیسائی۔ آریہ سماج اور تھیوسوفی ہر مذہب کے اشخاص کو مذہب پر چلنے کا پورا اختیار ہے۔ یہ ایک نئی بات ہے۔ اور مہارانا صاحب کے چال چلن کی خصوصیت ہے جس سے دیگر دیسی راجاؤں میں سے آپ کی حرمت و عزت لوگوں کے دلوں میں زیادہ ہے۔

میواڑ کے لئے جو آپ نے خدمت کی ہے وہ نہایت ہی سچی حقیقی۔ فطرتی اور مثال کے طور پر ہے۔ آپ کے مذہبی خیالات اور عمل اور سیاسی انتظامات نے آپ کو ایک بہت بڑا راجہ بنا دیا ہے۔

مہارانا صاحب سخی دل شخص ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں آپ رعایا کے خیرخواہ ہیں اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔ آپ منصف اور مذہبی خیالات کے شخص ہیں اس میں کسی کو انحراف نہیں۔ آپ نے میواڑ کی اس طرح خدمت کی ہے جو سنہری حرفوں

کی عدالتوں کی طرح کام عمدہ طریقہ سے کرنے کے لئے مہارانا صاحب نے تجربہ کار ممبروں کی تعداد بڑھائی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا ہے کہ کام اب جلدی اور عمدہ ہوتا ہے اور مقدمہ باز لوگوں کی بہت سی تکالیف کم ہوگئیں ہیں۔ بھیلواڑے اور راودے پور میں سشن کورٹ قائم کئے گئے ہیں۔ زیر تجویز قیدیوں سے پہلے خوراک لی جاتی تھی۔ مہارانا صاحب نے اس کو اور بے گار کو بھی روک دیا ہے۔ وکیلوں اور تھانہ داروں کے لئے امتحانات مقرر ہوئے ہیں۔ پولس اور فوج کے محکموں کو بھی تجربہ کار اشخاص کے زیر نگرانی رکھ کر جدید طریقہ پر لانے کی کوشش بھی مہارانا صاحب نے ہی کی ہے۔

آپ تاریخ ۲۲ر فروری ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد مرحوم کٹر ہندو تھے۔ اور پرانے خیالوں کے شخص تھے۔ اسی لئے باہر جاکر تعلیم حاصل کرنے کا آپ کو موقعہ نہیں ملا۔ لیکن آپ نے محلوں ہی میں ہندی۔ انگریزی۔ اور سنسکرت میں کافی قابلیت پیدا کرلی۔ مذکورۂ بالا زبانیں آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں اور آپ نے کئی کتابیں دیکھی ہیں۔

علمی ذوق ہونے کی وجہ سے آپ عالموں کی قدر کرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ہندی، انگریزی، سنسکرت کے شاعروں کو انعام وغیرہ دے کر ان کی ہمت افزائی کرتے رہتے ہیں۔ آپ کے خیالات نہایت ہی بلند ہیں۔ ایک راجہ ہونے کی حیثیت سے آپ بہت بڑے منصف ہیں اور طرفداری بالکل نہیں کرتے آپ نہایت ہی

سب سے بڑھ کر بات جو میواڑ کے اسکولوں میں دیکھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ طالب علموں سے فیس نہیں لی جاتی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ غریب اور محنتی طالب علموں کو وظیفہ بھی ملتا ہے۔ اور ان طالب علموں کے لئے جو آگے پڑھنے کے لیے یونیورسٹی وغیرہ میں جاتے ہیں۔ ایک فنڈ قائم ہے جس سے ہر سال کئی ہزار روپیہ غریب طالبعلموں کو وظیفہ ملتا ہے۔

میواڑ میں پہلے نشیلی اشیاء بونے فروخت کرنے اور بنانے کی ہر خاص و عام کو اجازت تھی۔ ان اشیاء کے استعمال کے لئے سرکار سے روک ضرور تھی۔ لیکن بہت کم۔ ان کے استعمال کو کم کرنے کے لئے مہارانا صاحب نے الگ محکمہ آبکاری قائم کیا اور سوداگروں کو بغیر اجازت بھنگ۔ چرس۔ شراب۔ افیون وغیرہ اشیاء فروخت کرنے کی ممانعت کر دی۔ اس سے ان اشیاء کی فروخت پر بڑا اثر پڑا اور آگے بھی پڑنے کی اُمید ہے۔ ریاست کی آمدنی زیادہ ہونے کی غرض سے اور رعایا کو فائدہ عام ہونے کی نگاہ سے ماولی سے مارواڑ جنکشن تک ریل لے جانے کی تجویز کی۔ یہ کام بہت کچھ ہو بھی چکا ہے۔ اسی طرح میواڑ میں دیگر تجارتی مقامات کا ایک دوسرے سے اچھا تعلق کرنے کے لئے آپ نے موٹر والوں کو ٹھیکے دیئے اور جگہ جگہ پر سڑکیں بنوائیں۔ جس سے سوداگروں و مسافروں کو نہایت فائدہ ہوا۔

ملکی انتظام میں بھی مہارانا صاحب نے بہت ترقی کی۔ مہاراج سبھا (میواڑ ہائی کورٹ) میں پہلے مقدمہ وغیرہ کا کام نہایت آہستگی سے ہوتا تھا۔ ہر کار مند

مشہور ہے۔ اس میں قریب ۵۰ طالب علم اس طرح کے ہیں جن کو کھانا کپڑا۔ کتابیں
وغیرہ سرکار سے ملتا ہے۔ سنسکرت کالج میں اب ویدک بھی پڑھائی جاتی ہے اور
اُن کے امتحان کے لئے وید ودیا پیٹھ پونہ سے تعلق کر دیا گیا ہے۔

ضلع جات کے مدرسوں میں بھی ترقی ہوگئی ہے اور پرائمری مدرسوں میں زراعت
کی تعلیم لازمی کر دی گئی ہے۔ ہندوستان کے کئی مقامات پر دیکھا گیا ہے کہ کسان
اپنے لڑکوں کو پڑھنے کے لئے بھیجتے ہیں۔ سو ان کے بچے پڑھ تو ضرور جاتے ہیں
لیکن ان کو زراعت کی تعلیم نہیں ہونے سے اس کام سے بالکل ناآشنا رہتے ہیں۔
اور زراعت کا کام بالکل نہیں کر سکتے۔ آخر کار نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی
دنیاوی زندگی شروع کرتے ہیں تو نہ تو وہ کاشت کر سکتے ہیں اور نہ دوسرا
کوئی کام۔ موجودہ لائق اور تجربہ کار ڈائرکٹر صاحب میواڑ نے کامل غور کیا۔ اور
تعلیم کا طریقہ اس طرح رکھا کہ طالب علم دن بھر تو اپنے کھیتوں میں کام کرتے ہیں
اور شام کو یا صبح جب بھی فرصت ملتی ہے آکر اسکول میں پڑھ جاتے ہیں۔ اسکول
صبح کو تو کھلتا ہی ہے مگر شام کو بھی ۲ گھنٹہ کے لئے کھلا رہتا ہے۔ اس میں یہ فائدہ
ہوتا ہے کہ بچوں کو کتابی علم کے علاوہ ان کے ذریعہ معاش کی جو زراعت ہے کوئی
نقصان رسانی نہیں ہوتی۔ خانہ داری کے معاملوں و کھیتی میں لگے رہنے پر بھی
ان کو تعلیم مل جاتی ہے۔ تعلیم کے اس طریقہ کو
شفٹ ٹ کہتے ہیں۔ میواڑ کے لئے یہ نئی چیز ہے اور نیا تجربہ ہے۔

کے لئے کھیلنے کا میدان ہے۔ بھوپال نوبلس اسکول ایک طرح پر چھوٹا سا شہر ہے
یہاں کے طالب علموں کی باہمی محبت ایک دوسرے کو امداد وغیرہ دینا دیکھ کر
رابندر ناتھ کی وشو بھارتی کی یاد آجاتی ہے۔ اس اسکول کو قائم ہوئے آج
قریب بارہ سال ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اگر راجپوتانہ میں تعلیم میں اس اسکول نے خود کو
بےمثال نمونہ ثابت کر دیا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ۱۹۲۳ء کے سال میں
جب اسے قائم ہوئے پورا ایک سال بھی نہیں ہوا تھا۔ اس کے کارکن اور منتظمان
کا پورا شوق دیکھ کر لارڈ ورڈنگ نے زمانہ مستقبل میں اس کی ترقی کی تھی۔ لارڈ صاحب
کو امید تھی کہ اسکول ترقی کریگا۔

لیکن اسکول کا کام اُن کی اُمید سے آگے بڑھ گیا ہے۔ اگر اب ان کو اسکول
ملاحظہ کرنے کا موقعہ ملتا تو شاید وے بھی خیال کرنے لگتے کہ کس طرح پر اس چھوٹے
سے پودہ نے اتنے بڑے شجر کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس اسکول کی ترقی کا سہرا،
مہارانا صاحب کے سر پر ہے اور اگر مہارانا صاحب کی اس طرف اسی طرح مہربانی
بنی رہی تو یہ اور بھی کام کر دکھاوے گا۔ جس سے بے علم اور پُرانے رواجوں پر چلنے
والی راجپوت قوم بھی زمانہ جدید میں اپنا سر اونچا کر سکے گی۔

مذہبی تعلیم کے لئے آپ نے ایک سنسکرت کالج قائم کیا جہاں پر مذہب وغیرہ کی
تعلیم کے ساتھ ہندو کالج بنارس کے سنسکرت امتحانات کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ یہاں
پر بھی ایک بورڈنگ ہاؤس ہے۔ جو فتح بھوپال برہم بورڈنگ ہاؤس کے نام سے

غرض سے کہ وہ بعد میں اپنی زندگی میں اچھی طرح روزی پیدا کر سکیں. کالج میں آئل پنٹینگ گھڑی سازی اور ٹائپ رائٹنگ کا کام بھی حال ہی میں جاری کئے گئے ہیں ان سے طالب علموں کا بڑا فائدہ ہوا ہے اور اُمید ہے کہ دستکاری کے اسی طرح کے اور فن کی کلاسیں جاری ہو جانے سے طالب علموں کی زندگی آجکل کے لئے زمانہ کے لئے موافق بن سکتی ہے. ہارانا مڈل ہکول میں درزی کا کام بھی سکھایا جاتا ہے. جس کے لئے ایک پاس شدہ قابل ماسٹر رکھا گیا ہے۔

ہارانا کالج کے سوا ایک بڑا اسکول بھوپال نوبلس ہائی اسکول اور ہے یہاں پر راجپوتوں اور جاگیرداروں کے لڑکے پڑھتے ہیں. اس کو بھی ہارانا صاحب نے قائم کیا ہے. اس اسکول میں میٹرک تک تعلیم دی جاتی ہے. مذہبی اور جنگی کام کی تعلیم پر پورا زور دیا جاتا ہے۔

شروع میں ہارانا صاحب نے اس اسکول کو ایک لاکھ روپیہ دیا اور اس کے بعد اپنے مرحوم والد صاحب کی یادگار میں بورڈنگ ہاؤس بنایا ہے. جہاں پر غریب اور نابالغ راجپوت لڑکوں کے کھانے وغیرہ کا عمدہ انتظام ہے. بھوپال نوبلس اسکول میں زیادہ تعداد ایسے طالب علموں کی ہے جو اودے پور میں صرف تعلیم ہی کے لئے آتے ہیں. ان کے لئے بھی بورڈنگ ہے اس میں رہنے والے طالب علموں کو کسی طرح کی تکلیف نہیں ہے. ان کے کھانے کے انتظام کے لئے عمدہ کچن ہے. دودھ کے لئے ڈیری ہے. دوائی کے لئے دواخانہ ہے. ورزش

انٹرمیڈیٹ کالج مقرر کیا - اور میواڑ میں بہت سے اسکول قائم ہو گئے اور اسکولوں کی تعداد میواڑ میں قریب ایک سو ہو گئی - ان میں ۳ مڈل اسکول - دو گرل اسکول باقی کے پرائمری اور لوئر پرائمری اسکول ہیں - مڈل اسکولوں میں سب سے بڑا اور پرانا مہارانا مڈل اسکول ہے - اس میں زیادہ تر ادوے پور کے باشندگان کے لڑکے تعلیم پاتے ہیں - اور کسی قسم کا قومی اختلاف کا خیال نہیں رکھا جاتا - میواڑ سے لاعلمی دور کرنے میں اس اسکول نے بہت کام کیا ہے اور امید ہے کہ زمانہ مستقبل میں بھی اسی طرح کرتا رہے گا -

مڈل اسکول ہی کی عمدہ شکل مہارانا کالج ہے - جس میں انگریزی - ہندی - اردو حساب سائنس - سنسکرت - علم تواریخ وغیرہ مضامین کی تعلیم کا عمدہ انتظام ہے اور یہی سبب ہے کہ طالب علموں کی تعداد ترقی کرتی جاتی ہے - مثلاً ۱۹۲۲ء میں یہاں پر ۵۰ طالب علم تھے - ۱۹۲۶ء میں ۱۷۸ - ۱۹۳۰ء میں ۲۸۲ اور ۱۹۳۳ء میں ۳۰۰ طالب علموں کی تعداد میں ترقی ہونا ظاہر کرتا ہے کہ میواڑ میں ایک کالج کی ضرورت تھی اور مہارانا صاحب نے اسے قائم کر بڑی خامی کو پورا کیا - راجپوتانہ کے دیگر کالجوں کی طرح مہارانا کالج کا تعلق بھی راجپوتانہ انٹرمیڈیٹ بورڈ سے ہے - سائنس پڑھنے والے طالب علموں کے لئے اصول کے ساتھ عمل بتانے کا بھی اچھا انتظام ہے کالج میں اس کی ایک ذاتی لائبریری (کتب خانہ) ہے - جس میں ہر مضامین کی کتابوں کا عمدہ اور مفید ذخیرہ ہے - طالب علموں کی قابلیت بڑھانے اور اس

الغرض حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی مہارانا صاحب نے سب سے پہلے زراعت اور تعلیم کی طرف نظر ڈالی۔ کسانوں کی حالت درست کرنے کے لئے محکمہ بندوبست قائم ہوا جو اب تک ٹھیک طرح سے کام کر رہا ہے۔ پھر ان کے لئے ایک فنڈ قائم کیا جہاں سے کسانوں کو کم سود پر روپیہ دیا جاتا ہے۔ اس فنڈ سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ کاشتکار لوگ بے رحم بنیوں سے بچ گئے اور اپنی حسب ضرورت فنڈ سے روپیہ لے کر زراعت کی ترقی میں لگاتے ہیں۔ میواڑ کے کاشتکار غریب ہونے کے علاوہ ناخواندہ بھی ہیں۔ وے لوگ کاشت نہایت پرانے طریقہ سے کرتے ہیں جو سائنس سے دور ہیں اور جن میں خرچہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے پاس نہ تو جدید طریقہ کے اوزار ہیں اور نہ تعلیم ہے کہ جس سے وے بھی مغربی ممالک کے کاشتکاروں کی طرح اچھی طرح عمدہ فصل پیدا کر کے خوش حال رہ سکیں۔ اور المدار ئیس۔ ان لوگوں کی لاعلمی مہارانا صاحب کو گراں ہوئی۔ لہذا آپ نے ان کے لئے نمبروار اسکول قائم فرمایا جس میں طالب علموں کو زراعتی اصول اور عمل دونوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسکول مذکور نہایت عمدگی سے کام کر رہا ہے اور امید ہے کہ کچھ عرصہ میں یہاں سے طالب علموں کی اسقدر کثیر تعداد نکلے گی جو میواڑ میں ہر چہار اطراف میں جا کر کسانوں کی حالت کو درست کریگی۔

جس ہی سال تخت نشین ہوئے کل ملاکر ۵۰ اسکول تھے جو یہاں کی آبادی کے لحاظ سے کم تھے۔ آپ نے سکولوں کی تعداد بڑھانے کی اجازت دی اور ایک

سنہ ۱۹۲۹ء کے جون میں آپ کو ورم کی تکلیف ہوئی اور قریب بیس دن بیمار رہنے کے بعد تاریخ اوّل جولائی کو آپ کی روح عالم بقا کی طرف پرواز کر گئی۔ مہاراج صاحب جیسے عارف۔ عالم اور شاعر کی وفات سے جو میواڑ کا نقصان ہوا ہے۔ اُس کے پورا ہونے کے لئے نزدیک میں اُمید کرنا بیکار ہے۔

مہارانا بھوپال سنگھ جی

مہارانا صاحب فتح سنگھ کی وفات کے بعد سنہ ۱۹۳۰ء میں شری مان شری مہاراجہ دھراج سر بھوپال سنگھ جی بہادر۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی، کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ نے میواڑ کے تخت کو زینت بخشی۔ مہارانا صاحب کو اپنے والد مرحوم کی حیات ہی میں (سنہ ۱۹۲۱ء) سرکار ہند سے سیاسی معاملات کے کچھ اختیارات مل چکے تھے اور اُسی وقت سے میواڑ میں جدید ترقیاں اور تبدیلیاں ہونے لگ گئی تھیں۔ پھر بھی میواڑ میں نئے زمانہ کی بسم اللہ آپ کی تخت نشینی کے وقت ہی سے خیال کرنی چاہیے۔

ویسے تو آپ نے ہندی کے تمام بحروں میں اپنی طبیعت آزمائی کی ہے. لیکن جو مزہ آپ کے پدوں (ایک خاص بحر ہے) میں ہے وہ درحقیقت مؤثر ہے. چتر سنگھ جی نے چھوٹی بڑی کل ۷ کتابیں لکھی ہیں. ان میں میواڑی زبان میں لکھی ہوئی گیتا سب سے عمدہ اور اپنے ڈھنگ کی ایک ہی کتاب ہے. مختلف مضامین میں آپ نے زیادہ تر قومی ترقی۔ ترغیب علم. معرفت گوشہ نشینی اور دنیا کے فانی ہونے پر اپنا قلم اُٹھایا ہے اور خوب گوہر فشانی کی ہے. معرفت کی چاشنی تو تقریبا تمام اشعار میں پائی جاتی ہے. پھر بھی اس کو ہم نہیں بھول سکتے کہ راجپوت خاندان میں پیدا ہونے سے بہادری اور جوش و خروش کا رنگ آپ کی شاعری سے کوشش کرنے پر بھی الگ نہیں ہو سکا. جس کے پڑھنے سے دل میں جوش پیدا ہوتا ہے. یہ بات دیگر ہے کہ راجپوتانہ بہادری کا رنگ اپنی اصل شکل میں نمایاں نہ ہو کر کسی دوسرے لباس میں ظاہر ہے۔

مہاراج صاحب سنسکرت سے بھی اچھے آشنا تھے۔ اور پرانے رسم و رواج کی طرف آپ کی طبیعت راغب ہونے سے جدید طریقہ تعلیم و تہذیب کے خلاف تھے. آپ کہا کرتے تھے کہ آجکل کے مدرسوں میں تعلیم نہیں ہوتی بلکہ بچوں کے گلے گھونٹ دیئے جاتے ہیں. وے ان کو کمزور بنا دیا جاتا ہے. اُن کے مذہب کے خیالات کمزور بنا دیئے جاتے ہیں "چتر چنتامنی" کتاب میں آپ نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

کئی سال تک رہے۔ کس طرح قدرتی مناظروں کے درمیان رہنے سے آپ کی زندگی خود قدرت کے مطابق بن گئی تھی۔ آپ کا دل صاف اور نرم تھا۔ جھوٹ بادکھاوا اور غصہ تو آپ کے پاس بھی نہیں آتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ نہایت نرم دلی سے پیش آتے تھے۔ بوقت گفتگو آپ ایسی زبان کا استعمال کرتے تھے جو موثر ہونے کے علاوہ جذبات کی تصویر ہوتی تھی۔ مشکل سے مشکل مضامین کو آسان کر کے سمجھا دینا آپ ہی کا کام تھا۔

اگر مہاراج صاحب میں صرف اتنی ہی باتیں ہوتیں تو ان کے رشتہ دار اور اُن کے ملنے جلنے والوں کے سوا شاید ہی دیگر اشخاص ان سے واقف ہوتے۔ لیکن مہاراج صاحب ایک شاعر بھی تھے اور بہت بڑے شاعر تھے۔ اپنی قلم اور لکھنے کی طاقت سے جو خیالات آپ قلمبند کر گئے ہیں وہ میواڑ کے علم ادب کی بیش بہا دولت اور ہندوستانی ادب کے لئے ایک ناز و فخر کی شے ہے۔ شاعری کے ذریعہ سے نصیحت دیا جانا ممکن ہے۔ سیاسی معاملات کی تنقید ہو سکتی ہے۔ قوم کی ترقی ہو سکتی ہے اور فلسفانہ نکات پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ مہاراج صاحب چتر سنگھ جی کی شاعری سے آدمی کا دل ایک دم خوشی سے ناچ اٹھتا ہے۔ ان کی سب شاعری میواڑی زبان میں ہے۔

مہاراج صاحب نے کبیر۔ نانک۔ میراں۔ دادو وغیرہ بہت سے صوفی شاعروں کی شاعری کو خوب دیکھا تھا۔ اسی لئے آپ کی شاعری میں بھی وہی چوٹ۔ وہی سادگی ادا۔ جذبات میں وہی اثر نمایاں ہے جو مذکورہ شاعروں میں پایا جاتا ہے۔

قوم کی اصلاح اور چال چلن کی اصلاح کی بابت اچھی شاعری کرنے لگے۔
۱۹۰۷ء میں آپ کی بیوی نے وفات پائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی طبیعت خدا پرستی کی طرف اور زیادہ راغب ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کا دل دنیا کے عیش و آرام سے کنارہ کش تھا۔ اور اب زیادہ ہو گیا۔ اب آپ کی مرضی یوگ سیکھنے کی ہوئی۔
دریائے نربدا کے کنارے ایک اچھے اور خدا رسیدہ یوگی رہتے تھے۔ جن کا نام کمبل بھارتی تھا۔ مہاراج صاحب نے وہاں جا کر اپنی خواہش ظاہر کی۔ فقیر مذکور نہایت مسکین خوش گو اور اچھا یوگ جانتے تھے۔ ہر بات صاف کہہ ڈالنے کی عادت بھی فقیر مذکور میں کافی تھی۔ اس لئے انھوں نے کہا، آپ کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی میواڑ میں بائیں پٹرہ کے راؤ جی دلیل سنگھ جی کے بھائی گمان سنگھ جی بڑے فقیر اور خدا رسیدہ شخص ہیں تم نے ان کو ہی اپنا مرشد (گرو) کیوں نہیں بنایا۔ مہاراج صاحب وہاں سے لوٹ کر باٹھرڑا آگئے اور حال گمان سنگھ جی کو کہہ سنایا۔
مہاراج صاحب کا اتنا شوق و ذوق دیکھ کر ان کو ناامید نہ کر سکے اور کچھ دن آپ کو اپنے پاس رکھا اور راج یوگ کا علم سکھا دیا۔
وہاں سے آنے کے بعد مہاراج صاحب کچھ دن گھر ہی پر رہے پھر شہر باہر بوگھیر نام کا ایک گاؤں ہے اس کے پاس ایک پہاڑی پر جھونپڑی بنا کر رہنے لگے۔
یہاں رہنے سے آپ کو کافی سکون محسوس ہوا اور اس طرح دنیا سے الگ رہنے کے سبب فقیری ریاضت و کتب بینی کا اچھا موقعہ مل سکا۔ یہاں پر آغوش قدرت میں

آپ ۱۱ر فروری ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے تھے۔ آپ کرپالی مہاراج صورت سنگھ جی کے چوتھے لڑکے تھے۔ ہر ایک میواڑی کو معلوم ہے کہ صورت سنگھ جی مذہبی اور فقیرانہ وضع کے آدمی تھے۔ دنیا کے عیش و عشرت سے آپ کو پیدائش ہی سے نفرت تھی۔ کہنے کو آپ خانہ دار اور دنیا دار تھے باقی آپ کی طبیعت اصلاً دنیاوی کاروبار کی طرف راغب نہ تھی وہ دوسرے ہی عالم میں کھویا کرتے تھے۔

مہارانا سجن سنگھ جی کے بعد جب تخت نشینی کا سوال پیدا ہوا تو دیگر اشخاص کے ساتھ تخت کے وارثوں میں آپ کا بھی نام تھا۔ لیکن یادِ الٰہی اور مذہبی جذبات کو ، عقل کی ترازو میں مساوی نہ پاکر آپ نے چھوٹے بھائی فتح سنگھ جی کو سلطنت کا مالک بنا دیا والد کے مذہبی جذبات اور خدا پرستی کا رنگ لڑکے چتر سنگھ پر کچھ اس قدر چڑھ گیا کہ آخر وقت تک نہ چھوٹا۔ ۱۹ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی۔ لیکن اس سے آپ کی طبیعت کی رغبت میں کوئی دخل نہ ہوا۔ سانکھیہ۔ ویدانت وغیرہ خدا پرستی سے تعلق رکھنے والے کتب آپ دیکھتے ہی رہے۔ شاعری کا شوق بھی آپ کو ہو گیا تھا۔ مشکل مضامین پڑھتے پڑھتے جب تھکان ہو جاتا تب شاعری سے اپنا دل خوش کر لیتے تھے۔ اس وقت شاعری کی باریکیاں اور بلند پروازیاں آپ کے شعر میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ صرف شاعری کی فطرتی شکل نمایاں تھی۔ لیکن تو بھی اس میں جذبات کی تصویر ہوتی تھی۔

عمر کے ساتھ ساتھ شاعری نے بھی عروج کی شکل اختیار کی اور مہاراج صاحب

اٹھائیسواں باب

مہاراج صاحب چتر سنگھ جی

یوں تو تمام لوگ اس ناپائیدار اور فانی جہاں میں آتے ہیں زندہ رہتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ لیکن انہیں لوگوں کا پیدا ہونا اور مرنا کارآمد معلوم دیتا ہے جو یا تو ملک۔ قوم یا مذہب کے لئے فنا ہو جاتے ہیں یا اپنے بعد کچھ ایسی شے چھوڑ جاتے ہیں جو فرائیض انسانی تبلاتی اور اس کو ٹھیک طرح سے حفاظت سے رکھنے میں مدد کرتی ہے۔ درحقیقت ایسے ہی انسان انسان کہلانے کے مستحق ہیں اور حیات جاودانی لے کر دنیا میں آتے ہیں۔ کیونکہ ان کے عالم بقا کی طرف چلے جانے پر بھی ان کا نیک نام بھلایا نہیں جاتا۔ جدا جدا ملک۔ وقت اور مذہب کے مطابق ان بڑے بڑے اشخاص کے کام کرنے کے طریقہ میں فرق ہوتا ہے لیکن مقصد سب کا ایک ہوتا ہے۔ بعض لوگ اپنا خود کا اپنی آل اولاد کا اور کچھ اپنے خاندان کی خونریزی کر کے شجر قوم کی آب پاشی کرتے ہیں۔ لیکن بعض اشخاص ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے عمدہ چال چلن سے یا علم ادب کی مدد سے ملک کی بنیاد کو مضبوط بنا دیتے ہیں اور اس طرح خود مر کر بھی اپنی قوم کو حیات جاودانی بخش جاتے ہیں۔

ایسے ہی طرح کے بڑے بڑے آدمیوں میں مہاراج صاحب چتر سنگھ جی کا بھی نام آتا ہے

صفات کا ہونا لازمی ہے وہ سب آپ میں موجود تھیں۔ ذاتی فخر، حب وطن اور آزادی کی محبت کی آپ مجسم شکل تھے۔

وقت وقت پر آنے والے رئیس و راجوں نے آپ کی کئی طرح سے تعریف کی ہے۔ آپ کی ذات اور پاک چلن کی تعریف کرتے کرتے وہ ایک طرح سے تھک گئے ہیں مہارانا صاحب اپنی سلطنت کے چھوٹے بڑے کاموں کی خود نگاہ رکھتے تھے اور اپنے کارکن لوگوں کے کام پر بھی پوری نگاہ رکھتے تھے۔ مردم شناسی کا آپ کو بہت اچھا محاورہ تھا۔ دیکھتے ہی جان جاتے تھے یہ شخص کس طرح کا ہے اور کس مطلب سے ایسی باتیں کر رہا ہے۔ آجکل کے اس جدید زمانہ میں آپ پرانے طریقے پسند فرماتے تھے۔ آپ کو سادگی سے زیادہ اُلفت تھی۔ جو آخر وقت تک بنی رہی۔ مہارانا صاحب کے لئے صرف ان کی رعایا ہی کے دل میں حرمت و عزت کا خیال نہ تھا۔ بلکہ ویسی راجاؤں اور مغربی ملکوں کی نظروں میں بھی آپ کے لئے ویسی ہی حرمت تھی۔ مہارانا صاحب بہادر تھے اور علم سیاست کے ماہر تھے۔ آپ کے عالم بقا کی طرف رجوع ہونے کے وقت انگریزی کے ایک اچھے اخبار نے لکھا تھا:۔

میواڑ کی سلطنت کتنی ہے؟ مرحوم مہارانا صاحب میں وہ قابلیت، ملکی انتظام کرنے کا مادہ موجود تھا کہ کل ہندوستان کی سلطنت بھی اگر آپ کو سپرد کر دی جاتی تو آپ بخوبی اس کام کو انجام دے سکتے تھے۔

تھی۔ شراب۔ تمباکو وغیرہ نشہ کی چیزوں سے آپکو سخت نفرت تھی۔ مذہب اور خدا پر تو آپ کو پورا اور مکمل اعتقاد تھا۔ صبح کا زیادہ وقت آپ کا پرستش اور حق پرستی اور یاد الٰہی میں صرف ہوتا تھا۔ راماین سے آپ کو خاص طور پر اُلفت تھی اور ہندی کے شاعروں میں کبیر کو اچھا سمجھتے تھے۔ کبیر صاحب کے کچھ ہندی کے شعر آپ کو ازبر تھے دنیائے فانی کے بارہ میں کبیر صاحب کا کہا ہوا حسب ذیل دوہا آپ اکثر پڑھا کرتے تھے:۔

آٹھوں نوبت باجتی۔ ہوت چھتیوں راگ
وے مندر سونے پڑے بیٹھن لاگے کاگ

قانون قدرت پر آپ کا ئل تھا اور تندرستی ٹھیک نہیں ہونے کی حالت میں بھی اب قوانین قدرت کے مطابق ہی چلتے تھے۔ دوا کبھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ علاج کے لئے فاقہ کشی سے کام لیتے تھے۔ دوا سے نہیں۔ اسی سبب سے بڑھاپے میں بھی آپ میں شیر کی سی طاقت اور چستی موجود تھی۔

اپنے پرانے طریقہ اور اپنے خاندان کی بات کو خوب اعلیٰ طور سے نبھاتے تھے اور اس کی حفاظت کے لئے آپ تکالیف کا سامنا کرنے کو بھی تیار رہتے تھے۔ آپ کو اس بات کا ہمیشہ خیال بنا رہتا تھا کہ آپ کے سبب سے باپا۔ سانگا۔ ہمیر اور پرتاپ جیسے بہادروں کے خاندان کو کہیں داغ نہ لگ جائے۔ آپ کو میدان جنگ میں آکر تلوار چلانے کا تو کبھی موقع نہیں ملا۔ لیکن میدان جنگ کے شیر میں جن

ماہر تھے۔ شیر کے شکار کا آپ کو زیادہ شوق تھا۔ اس سے آپ دو کام لیا کرتے تھے۔ ایک تو جسمانی ورزش دوسرے رعایا کی حالت دیکھنا۔

مہارانا صاحب قد میں نہ بہت لمبے تھے نہ چھوٹے معمولی بدن کے ساتھ اوسط درجہ کے لمبے آدمی تھے۔ آپ کا رنگ گندم گوں آنکھیں بڑی بڑی پیشانی کھلی ہوئی چھاتی اور لمبے بازو تھے۔ ایک مرتبہ گھوڑے سے گر جانے کے سبب آپ کی دائیں آنکھ کے اوپر ایک زخم ہو گیا تھا۔ زخم بھر جانے پر بھی اس جگہ پر ایک ہلکا سا کالا داغ رہ گیا تھا۔ جو آپ سفید پوش ہونے سے نہایت خوشنما معلوم دیتے تھے۔ آپ کی آواز گہری تھی اور سننے سے معلوم دیتا تھا کہ کوئی بڑا آدمی بول رہا ہے۔ بادشاہوں کی عادتیں تو آپ میں بھی خوب بھری پڑیں تھیں۔ آپ کی زندگی میں کچھ ایسی باتیں تھیں۔ جو آپ ہی کو پھبتی اور بھلی معلوم ہوتی تھیں آپ کی بود و باش کا طریقہ اور لوگوں سے مختلف تھا اور چہرہ نور سے چمکتا تھا۔ آپ کی فطرت اس طرح پر واقع ہوئی تھی جو دوسروں کے دلوں میں محبت اور عزت پیدا کر سکتی تھی۔ جو شخص ان کو ایک دفعہ دیکھ لیتا کبھی نہیں بھولتا۔ چہرہ کے نور میں کچھ اس قدر آثار نمایاں تھے۔ جن سے ملنے والوں پر عجیب اثر ہو جاتا تھا۔ اور ان کی زیادہ گفتگو کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ زبان پر بھی آپ کو کافی قابو تھا۔

مہارانا صاحب فتح سنگھ جی کے چال چلن میں مستقل مزاجی کی جگہ نہایت بلند تھی۔ آپ کا چال چلن صاف۔ بے داغ اور ایسا تھا کہ جس کی پیروی کی جاوے۔ اسی سبب سے میواڑ کے سب چھوٹے بڑے ادنیٰ و اعلیٰ کے دلوں میں ان کے لئے حرمت و عزت

کہیں بھی نہیں ہے۔ اس میں تواریخ سے تعلق رکھنے والی ہاتھ سے لکھی ہوئی اور چھپی ہوئی کتابوں کا مجموعہ ہے جس سے یہ جگہ خوبصورت کے علاوہ فائدہ مند بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ پرانی ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابوں موتیوں وغیرہ کا ذخیرہ راجپوتانہ میں کہیں نہیں ہے اس میں اخبار پڑھنے کا کمرہ اور عجائب گھر بھی ہے۔ جہاں پر ہر خاص وعام کو جانے کی اجازت ہے۔

مہارانا صاحب کو غریبوں اور فقیر و سادھوؤں کا خاص طور سے خیال تھا غریبوں اور برہمنوں کے لئے اپنے راج میں کئی جگہ ایسی مقرر کردی تھیں جہاں پر ہزاروں روپیہ ہر سال خیرات میں دیا جاتا تھا۔ کس کو دینا چاہئے اور کس کو نہیں اس کا کچھ خیال نہ رکھتے ہوئے مہارانا صاحب غریبوں کو خیرات دیناہی اپنا فرض سمجھ کر ان کو کپڑا کھانا وغیرہ دیا کرتے تھے۔ جب کبھی تیرتھ کے مقامات جیسے ہردوار۔ الہ آباد وغیرہ جانے کا موقع آتا تو وہاں پر خوب دل کھول کر خیرات کرکے سادھوؤں اور غریبوں کو خوب دیتے تھے۔

مہارانا سر فتح سنگھ جی بہادر۔ جی سی۔ ایس آئی۔ جی۔ سی۔ وی۔ او۔ تاریخ ۱۰ دسمبر ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت میواڑ میں تعلیم اس قدر رائج نہیں تھی اور نہ اس وقت کے راجپوتوں کے خیال تعلیم کی بابت اس قدر بلند تھے۔ لہذا پڑھنے لکھنے کا آپ کے لئے اچھا انتظام نہ ہو سکا۔ اردو۔ انگریزی اور سنسکرت کا علم آپ کو بعد میں آگیا تھا لیکن وہ نہایت کم۔ آپ کو تو شروع ہی سے راجپوتوں کے لائق تعلیم دی گئی تھی مثلاً نہ لگانا۔ سواری کرنا۔ اور شکار کرنا وغیرہ ان تمام باتوں میں آپ نہایت

رانا جی کے نام پر ہی رکھا گیا ہے۔ نہایت خوشنما ہے۔ یہ جھیل ڈیڑھ میل لمبی اور
سب سے زیادہ چوڑائی میں ایک میل ہے۔ اس جھیل کو بھرنے کے لئے دیوالی،
ایک موضع ہے) تقریباً چار میل دور ایک ندی سے کاٹ کر ایک نہر بنائی گئی
ہے۔ اس کا باندھ ۲۸۰۰ فیٹ لمبا ہے۔ بوقت شام یہاں کا منظر نہایت ہی خوشنما معلوم
ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک کے پہاڑ اور سبزہ کی وجہ سے برسات میں یہاں کی رونق
کشمیر کی طرح ہو جاتی ہے اور اسی منظر سے حیرت انگیز ہو کر باہر والوں نے اودیپور
کو دوسرا کشمیر اور ہندوستان کا وینس کہا ہے۔

رعایا کی خیر خواہی کے خیال سے مہارانا صاحب نے اودیپور اور باہر کے اضلاع
میں ہسپتال کھولے جہاں ہر خاص و عام کو بغیر کسی قومی تعصب کے دوائیاں آج تک
مفت دی جاتی ہیں۔ مسافروں کے آرام کے لئے آپ نے اودے پور سے چتوڑ تک
ریل بنوائی اور ریاست میں اِدھر اُدھر کئی پکی سڑکیں بنوا کر جگہ جگہ پر پولس کے تھانے
و چوکیاں قائم کر دیں۔ جس سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا آسان ہو گیا۔ اور مسافر
سونا اُچھالتے ہوئے سفر کرنے لگے۔

آپ کو عمارتیں بنوانے کا نہایت شوق تھا۔ اور عمارتی کام کی باریکی کو خوب سمجھتے
تھے۔ وکٹوریہ ہال۔ دربار ہال وغیرہ آپ ہی کے بنوائے ہوئے ہیں۔ وکٹوریہ ہال کو
مہارانا صاحب نے وکٹوریہ جُبلی کی خوشی میں بنایا تھا۔ اور یہ لارڈ لینسڈاؤن سے کھولا گیا
تھا۔ جے پور کے عجائب گھر کو چھوڑ کر ایسی خوبصورت اور شاندار عمارت راجپوتانہ میں

آئے۔ آہستہ آہستہ سیاسی معاملات میں مہارانا صاحب کی رسائی ہونے لگی اور کچھ سال بعد تو آپ نے اپنی دور اندیشی اور علم سیاسی کا اس خوبی سے اظہار کیا کہ بڑے بڑے ماہر حیرت میں رہ جاتے تھے۔ بس پھر تو آپ نا پیچیدہ ملکی۔ مالی اور قومی معاملات کو دیکھتے ہی سمجھ جاتے تھے۔ آپ کے دیئے ہوئے فیصلہ اس قدر عدل و انصاف سے مکمل ہوتے تھے۔ پھر دوسروں کے لئے بولنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔ ایسے معاملات میں آپ کی یادداشت بھی غضب کا کرشمہ بتاتی تھی۔

مہارانا صاحب کو اپنی رعایا کے امن کا پورا خیال رہتا تھا۔ ان کو ہمیشہ اس بات کا فکر رہتا تھا کہ میری رعایا کو تکلیف نہ ہو۔ اور اس پر کوئی ظلم نہ کرے۔ گو کہ آپ کچھ زیادہ خواندہ نہیں تھے تو بھی آپ کو تعلیم پھیلانے کا نہایت ذوق تھا اور اس کام میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ جس سے آپ کے دور سلطنت ہی میں کل ۵۰ کے قریب سرکاری مدرسہ ہو گئے تھے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آپ میواڑ کے باہر بھی تعلیم کے کئی محکموں میں وقت وقت پر امداد کرتے تھے۔ ہندو یونیورسٹی اور میو کالج کی ترقی میں آپ کی خاص مدد تھی۔ علاوہ ازیں میواڑ کے طالب علموں کو وظیفہ ملتا تھا۔ کتابیں انعام کے طور پر دی جاتی تھیں۔ آپ مدرسہ میں سال میں ایک دفعہ خود تشریف لا کر انعام تقسیم کیا کرتے تھے۔

زراعت کی ترقی کے لئے آپ نے محکمہ آبپاشی قائم کیا اور نئے نئے ادب تجربے سے عہدے سے آبپاشی کے کام پر آسانی ہو گئی۔ ان میں فتح ساگر جس کا نام

لڑائی سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی اور اگر کسی راجہ کو کچھ دو تین سال کے لئے مل بھی گئی تو مالی سوال سامنے پیدا ہو جاتا تھا۔ کبھی مسلمانوں کا حملہ ہوتا تو کبھی مرہٹے ملک کو ویران کر دیتے۔ اور اگر ان سب سے بچ گئے تو راجپوت آپس ہی میں کٹ مرتے تھے۔ لیکن ملک کبھی امن و امان سے نہیں رہتا تھا۔ اسی سے تنگ آ کر مہارانا بھیم سنگھ نے سرکار انگریزی سے مدد لی تھی۔ اس سے ملک میں بڑا امن امان پھیل گیا اور ان کے بعد کے راناؤں کے لئے راستہ صاف ہو گیا جس سے ملک کے انتظام کی طرف بھی ان کا خیال گیا۔ لیکن میواڑ کی واقعات سے بھری پڑی تاریخ کا خاتمہ مہارانا فتح سنگھ جی کے دور سلطنت ہی سے ہوتا ہے۔ میواڑ کے جنگ کا قصہ یہیں پر اختتام پر پہنچتا ہے۔ یہیں سے میواڑ میں بہادری کی کمی ہوئی گئی۔

مہارانا سجن سنگھ جی کے لاولد فوت ہو جانے پر میواڑ کے اس وقت کے ریزیڈنٹ کرنل والٹر اور سرداروں کی صلاح سے شورتی سے لا کر مہارانا فتح سنگھ جی کو میواڑ کے تخت پر رونق افروز کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۶ سال کی تھی۔ شورتی کی چھوٹی سی جاگیر سے ایک دم میواڑ کے راج پر آنے کی خوشی رانا صاحب کو ضرور تھی لیکن اس خوشی میں بہت کچھ اثر دبدبہ نہ ہونے کا بھی تھا۔ انھوں نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے کسی معتبر پاسبان سے فرمایا تھا کہ میں تو اپنے چھوٹے سے ٹھکانے میں ہی آرام سے تھا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اول اول ملک کے انتظام میں ان کو کس قدر تکالیف پیش آئیں۔ جو قدرتی ہیں۔ والدہ کے پیٹ سے کوئی کچھ سیکھ کر نہیں

श्रीमान् महाराजाधिराज महाराणा जी श्री सर फ़तहसिंह जी बहादुर,
जी. सी. एस. आई; जी. सी. वी. ओ.

راناجی کی تندرستی نہایت گر گئی۔ اور ۲۰ ہی دن کے بعد وہ بھی اس دنیائے فانی سے الوداع کر گئے۔

مہارانا بھیم سنگھ بڑے ہی رحمدل اور بڑے فراخدل ہندو راجہ تھے جسمانی قوت کا حال یہ تھا کہ مضبوط سے مضبوط ڈھال کو بھی ہاتھ سے چیر ڈالتے تھے۔ وے خندہ پیشانی خوشگو اور مہربان دل شخص تھے۔ انکو علم سے ذوق تھا اور عالموں کی نہایت حرمت و عزت کرتے تھے۔ وہ ایک عمدہ شاعر اور تاریخ کے دلدادہ شخص تھے۔ یہ غریبوں کو خوب خیرات دیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں کسی شاعر نے ہندی میں کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ راناجی ہمیشہ خیرات کرتے تھے اور گھوڑے اور ہاتھی دیا کرتے تھے جس سے وہ اب تک نہیں مرے یعنی ان کا نام اب تک دنیا میں باقی ہے۔

ستائیسواں باب

مہارانا فتح سنگھ

ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی کی طرح میواڑ میں بھی امن و امان نہایت ہی کم رہا ہے۔ یہاں بھی وقت وقت پر کشت و خون۔ لوٹ مار اور مردم کشی وغیرہ ہوتی ہی رہی ہے۔ ہمیشہ جنگ وغیرہ میں مشغول رہنے کے سبب یہاں کے مہارا کو ت ملا جس کو وہ اپنی رعایا کی بہتری میں لگاتے۔ اول تو

بہت سی ہیں لیکن ٹاڈ صاحب کا لکھا ہوا (Annals and Antiquities of Rajasthan)
ہمارے ملک کی ایک عجیب ہی کتاب ہے۔ مسلمانوں کا ظلم۔ راجپوتنیوں کی جانفشانی
راجپوت قوم کا مذہب کے لئے لڑنا اور ان کی پریشان حالت اس قوم کا زوال وغیرہ
کا حال صرف ٹاڈ صاحب کے راجستھان ہی میں مل سکتا ہے جو نہایت موثر ہے۔
جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ٹاڈ صاحب نے اپنی تاریخ میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔
ان کا یہ خیال غلط ہے۔ مغربی طرز تحریر و چارن بھاٹ۔ یعنی درباری شاعروں کی
تعریفوں اور قصہ کہانیوں سے ٹاڈ صاحب کی تاریخ نے کہیں کہیں ناول کی شکل
ضرور اختیار کر لی ہے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوا ہے اور وہ بھی اس وقت کے حالات
کی وجہ سے۔ ایک بات غور کرنے کی یہ ہے کہ راجپوتوں کی جھوٹی تعریف سے
ان کو فائدہ ہی کیا تھا۔

آخر کار اپنے ہم قوم اور ہم پیشہ لوگوں کی وجہ سے ٹاڈ صاحب کو اپنی میعاد کے
پہلے ہی اپنی ملازمت سے استعفیٰ دینا پڑا۔ اور کپتان باگ کو اپنا کام سپرد کر ولایت
چلے گئے۔ بعد ازیں کپتان سپیرس کپتان سدر لینڈ۔ کپتان باگ مہارانا بھیم سنگھ
کو مدد دینے کے لئے مقرر کئے گئے۔ لیکن میواڑ کی مالی۔ قومی اور سیاسی حالت ٹاڈ
صاحب کے وقت میں ہی بہت کچھ ٹھیک ہو گئی تھی۔ اس لئے مہارانا بھیم سنگھ کے
دورِ سلطنت میں اور کوئی خاص واقعہ قابل بیان نہیں گذرا۔

۱۸۲۶ء میں مہارانا کے پوتے جوان سنگھ جی لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ جس سے

بدمعاش لوگوں کا نام و نشان مٹا دیا۔ سندھیا کی طاقت برباد ہو گئی اور ہولکر کو بُری طرح سے شکست ہوئی مرہٹوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی اور پنڈاری لوگ بھی ادھر ادھر بھاگ نکلے۔ میواڑ کے واپس دن پھرے دیکھ کر لوگ پھر آ آ کر آباد ہونے لگے اور آٹھ ماہ کے پیشتر ہی میواڑ کی زمین واپس آدمیوں سے آباد ہو گئی۔ ۳۰۰ گاؤں اور قصبہ پھر سے آباد ہوئے اور بھیل واڑے اور اودے پور میں بڑی تیزی کے ساتھ تجارت ہونے لگی۔ جس جگہ پر پہلے کتے اور گیدڑ بولا کرتے تھے وہاں اب سبز کھیت نظر آنے لگے۔

ٹاڈ صاحب ابھی اس جگہ پر ۴ سال تک رہے اس عرصہ میں ٹاڈ صاحب نے ملک میں امن اور امان تو قائم کیا ہی لیکن سب سے بڑا کام انھوں نے یہ کیا کہ راجپوتانہ کی تاریخ لکھ کر راجپوتوں کی شہرت کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔ ٹاڈ صاحب خود ہمت والے اور بہادر شخص تھے۔ اور اسی لئے بہادری اور بہادروں کے لئے ان کے دل میں جگہ اور عزت تھی۔ راجپوتانہ میں آنے پر ان کو جب معلوم ہوا کہ ان کو اس قوم کی حفاظت کے لئے مقرر کیا گیا ہے کہ جو صدیوں سے دوسروں کی حفاظت کرتی آ رہی ہے تو اُن کو افسوس بھی ہوا اور خوشی بھی۔ اور آخر کار راجپوتوں کی بہادری کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے اُنھوں نے آلات جنگ کو ترک کر قلم کو دست گیر کیا۔ جو کچھ بھی اُنھوں نے تحریر کیا وہ دنیا کی ہمیشہ رہنے والی جائداد اور ہندوستان کے لئے فخر کی چیز ہے۔ راجپوت قوم تو کم از کم ان کے قلم کو بھول ہی نہیں سکتی۔ تاریخیں تو دنیا میں

۳) اودے پور کے زراعتی حصہ سے جو آمدنی ہوگی اس کا ۱/۴ چوتھا حصہ پانچ سال تک راناجی انگریزی سرکار کو بطور خراج دیں گے۔ بعد ازیں ۳/۸ واں حصہ راناجی ہمیشہ ہی دیتے رہیں گے۔ خراج کے بابت راناجی کسی اور سلطنت سے تعلق نہیں رکھیں گے۔ اگر کوئی خراج کے لئے کسی طرح کا دعویٰ کرے تو سرکار انگریزی اس کا جواب دینے کا اقرار کرتی ہے۔

۴) بوقت ضرورت ریاست اودے پور کو اپنی حیثیت کے مطابق انگریزی سرکار کو فوج دینی ہوگی۔

(۵) ریاست اودے پور میں مہارانا صاحب کا حکم اور اختیار مکمل طور پر چلے گا اور ان کی سلطنت میں انگریزوں کا زور نہ ہوگا۔

اس طرح میواڑ کے ساتھ صلح ہو جانے پر سرکار انگریزی کو ایک ایسے شخص کی ضرورت محسوس ہوئی جو میواڑ میں اور سارے راجپوتانہ میں امن وامان قائم کر سکے۔ اور کئی سالوں سے جنگ اور کشت و خون میں مبتلا میواڑ کی زمین کو امن وامان کی جگہ بنا دے۔ اس کام کے لئے کرنل ٹوڈ کو قابل سمجھا گیا اور وہی مغربی راجپوتانہ کے پہلے پالیٹکل ایجنٹ مقرر ہوئے۔

ٹاڈ صاحب بڑے مخلص اور قابل، نہایت تجربہ کار شخص تھے۔ اپنے فرض منصبی کو انہوں نے نہایت ہشیاری سے ادا کیا۔ کرنل ٹاڈ جیسے شخص کی مدد سے لارڈ ہیسٹنگز نے راجپوتانہ سے ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے دیگر صوبجات سے بھی

یہ ہوا کہ میواڑ کا ملک ویران اور برباد ہوگیا۔ شہر اودے پور جہاں پر پہلے پچاس ہزار گھروں کی آبادی تھی وہاں پر اب صرف تین ہزار گھروں کی آبادی رہ گئی۔ رعایا غریب ہوگئی اور سرکاری خزانہ خالی ہوگیا۔ باشندگان شہر بیچارے حیران تھے اور بھاگ کر دیگر راجاؤں کی سلطنت میں چلے جاتے تھے جتنے رانا ا جے سنگھ کے بعد میواڑ کے تخت پر رونق افروز ہوئے ان میں سے سب نے دل توڑ کر ان لیٹروں کو دبانے کی نہایت کوشش کی لیکن کوئی زیادہ فائدہ نہ ہوا۔ مہارانا بھیم سنگھ کے وقت تو ان لوگوں کا ظلم اس قدر بڑھ گیا تھا کہ آخر کار ان کو اجار ہوکر سرکار انگریزی سے مدد لینی پڑی۔ اس وقت لارڈ ہیسٹنگز ہندوستان کے گورنر جنرل تھے۔ اور وے بھی مذکورہ بالا باغیوں کو زیر کرنے کی جان لڑا کر کوشش کر رہے تھے۔ ۱۸۱۸ء کی ۱۳ جنوری کو مہارانا بھیم سنگھ کے بھیجے ہوئے سفیر ٹھاکر اجیت سنگھ جی اور سرکار انگریزی کی طرف سے آئے ہوئے مسٹر چارلس تھیوفلس میٹکاف کے بیچ دہلی میں دس شرائط طے ہوئیں جن میں مذکورہ ذیل پانچ خاص شرطیں تھیں

(۱) انگریزی سرکار اور رانا جی کی دوستی اور باہمی اتفاق نسل در نسل تک بنی رہے گی۔ ایک کے دوست یا دشمن دوسرے کے بھی دوست اور دشمن خیال کئے جائیں گے۔

(۲) انگریزی سرکار اودے پور ریاست کی حفاظت کا بار اپنے اوپر لینے کا اقرار کرتی ہے۔

مرہٹوں کی طاقت بڑھ گئی تھی جس سے بے بس ہوکر اس نے داورنگ زیب، جے سنگھ سے صلح کرلی۔ بعدازیں مغلوں اور میواڑ کے درمیان فوج کشی کا کوئی اندیشہ نہ رہا۔ جو تھوڑا ابھی کچھ خطرہ تھا وہ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات سے دور ہوگیا۔

کسی وقت ایسا ہوتا ہے کہ جس طرف سے ہم تکلیف کی اُمید کرتے ہیں۔ تکلیف اُدھر سے نہ آکر کسی اور ہی دوسری طرف سے ہمارا سامنا کرتی ہے۔ بس ٹھیک یہی بات میواڑ کے ساتھ ہوئی۔ میواڑ کی رعایا اور راناجی یہ خیال کئے ہوئے تھے مغلوں کے ساتھ ہوجانے سے میواڑ کی تکالیف ہمیشہ کے لئے رفع ہوجائے گی۔ اور اب وہ لوگ آرام سے زندگی بسر کرسکیں گے۔ لیکن یہ خیال آخر خیال ہی رہا۔ سلطنت مغلیہ برباد ہونے سے اُن کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ جن کی وجہ سے مغلوں کی سلطنت کی بنیاد کمزور ہوگئی تھی۔ ان لوگوں نے اب میواڑ کو تباہ کرنا یعنی لوٹ مار کرنا شروع کردیا۔ ساتھ ہی میں سندھیا ہولکرا اور پنڈاریوں نے بھی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ مرہٹوں اور پنڈاریوں کے گروہ کے گروہ دن دھاڑے رعایا کو لوٹ کر چلے جاتے تھے اور آگ لگادیتے تھے۔ جس موضع یا شہر کے قریب یہ لوگ ایک دن کے لئے بھی رہ جاتے تھے بس دوسرے ہی دن وہاں پر سناٹا چھا جاتا تھا۔ اپنی دولت اور جائداد کی حفاظت تو درکنار بیچارے لوگوں کی جان کا ہی سوال تھا۔ مسافر راستہ میں۔ کاشتکار اپنے کھیت میں اور تجار اپنی دوکان ہی پر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔ کوئی شخص یقیناً یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ابھی ایک گھڑی بعد اس کا کیا حال ہوگا۔ اس کا نتیجہ

پکارتے ہیں۔ اور دور سے دیکھنے پر یہ جگہ نہایت ہی خوبصورت اور شاندار معلوم ہوتی ہے۔ کل ملاکر اس جھیل پر ۴۴۷۰۰۰۱۰۵ روپیہ خرچ ہوئے تھے۔

مہارانا راج سنگھ کا قد چھوٹا۔ آنکھیں بڑی اور رنگ گندمی تھا۔ دے دیکھنے میں خوبصورت اور بہادر معلوم ہوتے تھے۔ اُن کے عمدہ بدن اور چہرے کے دیکھنے سے دیکھنے والوں پر بڑا اثر پڑتا تھا۔ راجا جی کا جسم جس قدر عمدہ اور دیکھنے میں خوبصورت تھا اسی طرح ان کا دل بھی صاف تھا۔ دے بہادر۔ ہمت والے۔ دیندار۔ رعایا کے خیرخواہ ہونے کے علاوہ شاعری کا بھی دعویٰ رکھتے تھے۔ عالموں کی وہ بہت عزت کرتے تھے۔ اور خود بھی شعر کہتے تھے۔

چھبّیسواں باب

مہارانا بھیم سنگھ

(سرکار انگریز سے صلح)

مہارانا راج سنگھ کی وفات کے بعد جب اُن کے لڑکے جے سنگھ تخت نشین ہوئے تب اُنھوں نے بھی اپنے والد کی پیروی کی اور اورنگ زیب سے برابر لڑتے رہے لیکن اسی اثنا میں اورنگ زیب کا لڑکا اکبر اس سے بغاوت کر بیٹھا اور ملک دکن میں

کنور بھیم سنگھ نے ایدر پر حملہ کیا اور اُسے زیر کر بڑنگر کو جا لوٹا۔ جس سے گجرات میں پریشانی پھیل گئی۔ وہاں کی رعایا نے آکر راناجی کی پناہ لی۔ وہاں کی رعایا کی بری حالت دیکھ کر راناجی کو رحم آگیا اور انھوں نے اپنے لڑکے کو وہاں سے بلا لیا۔ اس طرح پر ہر چہار اطراف میں رانا کی فتح کا جھنڈا لہرانے لگا اور نگ زیب نا اُمید ہو گیا۔ اس مرتبہ اسکا ارادہ رانا راج سنگھ کو شکست دے کر ہندوؤں کی قوم کی بے عزتی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ ہر چہار جانب میں راناجی کی فتح ہوتی دیکھ کر اورنگزیب نے صلح کے پیغام شروع کئے۔ لیکن بدقسمتی سے اسی سال راج سنگھ جی کی روح عالم بقا کی طرف پرواز کر گئی۔ یہ واقعہ ۱۶۸۰ء کا ہے۔

مہارانا راج سنگھ جی نے چھوٹے بڑے بہت سے کام رعایا کے فائدہ کے لئے کئے جن میں سے ان کا بنایا ہوا۔ راج سمندر مشہور ہے۔ یہ جھیل ۴ میل لمبی ہے اور پونے دو میل چوڑی ہے۔ اس میں گومتی ندی کا پانی آتا ہے اور پانی باہر جانے کے لئے ۳ راستے ہیں۔ نزدیک ہی میں کانکرولی نام کا گاؤں ہے جس میں دوارکادھیش کا مندر ہے۔ ۱۶۶۲ء میں اس جھیل کے بننے کا کام شروع ہوا تھا۔ اور تقریباً ۱۶ سال اس کے بننے میں لگے تھے۔ اس کا پشتہ نہایت مضبوط اور خوشنما بنا ہوا ہے۔ راج نگر کے پاس اس باندھ کا ایک حصہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اسی جگہ پر سنگ مرمر کی ۳ خوبصورت چوکیاں بنی ہوئی ہیں جس میں کئی دیوی دیوتا۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ رتھ۔ کبوتر وغیرہ کی مورتیں بڑی ہی کاریگری کے ساتھ بنائی گئیں ہیں۔ باندھ کے اسی حصہ کو نوچوکی کے نام سے

جے سنگھ کو سپرد کر اسے اراولی پہاڑ کی چوٹیوں پر متعین کر دیا تاکہ دشمن جس طرف سے بھی آوے اس پر حملہ کرنے میں آسانی رہے۔ اسی طرح دوسرے حصہ پر بھیم سنگھ کو مقرر کیا اور تیسرے حصہ پر خود رانا جی رہے۔ پہلے تو اورنگ زیب کی مرضی کہ رانا کا پہاڑوں میں بھی تعاقب کرے۔ لیکن پھر نہ معلوم کیا خیال کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور خود وہیں رہ کر شہزادہ اکبر کو اودے پور بھیجا۔ شہر خالی پڑا تھا۔ رانا جی کے حکم سے باشندگان شہر اس کو چھوڑ چھوڑ کر پہاڑوں میں قریب قریب گاؤں میں چلے گئے تھے۔ شاہی فوج یہیں رک گئی۔ سپاہی بے فکر وہیں پر خوشیاں جشن منانے لگے۔ اتنے میں ایک دم جے سنگھ جی نے حملہ کر دیا۔ بس اس سے مغل فوج میں کھلبلی مچ گئی وہ بھاگ کر نائی نامی گاؤں کی طرف چل پڑی۔ وہاں پر اس کو بھیلوں نے آگے بڑھنے سے روکا۔ اس طرح شاہی فوج دونوں اطراف سے گھر گئی۔ مسلمان سپاہی بھوک و پیاس سے حیران ہو گئے۔ آخر کار شہزادہ اکبر نے لاچار ہو کر صلح کے لئے درخواست کی۔ کنور جے سنگھ کو رحم آگیا۔ اس لئے اسکو بے خوف کر کے وہاں سے نکل جانے کا راستہ دیا۔ جس سے وہ نکل بھاگا اور چتوڑ چلا گیا۔

اسی عرصہ میں ارواڑ کے بہادر درگاداس بھی کچھ راٹھور بہادروں کو جمع کر کے میواڑ کی فوج میں شریک ہو گئے۔ اور دونوں نے مل کر بادشاہ پر حملہ کیا۔ گو کہ بادشاہ کے گولندازوں نے خوب آگ برسائی۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ رانا جی بادشاہ کا پیچھا کرتے ہوئے میواڑ سے کئی میل دور چلے گئے۔ اس طرف رانا جی کی فتح ہوئی ادھر

انتظار کیا گیا۔ اور پھر ایک نہایت شاندار فوج لے کر اورنگ زیب خود میواڑ پر حملہ آور ہوا۔

جس دن سے رانا پرتاپ نے اپنی بہادری دنیا کو دکھا کر عالم بقا کی طرف رجوع کیا تھا۔ بس اُسی دن سے میواڑ میں اندھیرا ہو گیا تھا۔ ہندو اور خاص کر میواڑ کے لئے یہ دن بہت ہی بُرا تھا۔ ان کے بعد مہارانا امر سنگھ ان کے لڑکے کرن سنگھ اور ان کے وارث جگ سنگھ نے یکے بعد دیگرے اس اندھیرے کو دور کرنے کی حتی الامکان کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ بس اسی ملک کی تاریکی میں موقعہ پاکر مغلوں نے میواڑ کی آزادی لوٹ لی۔ آج ساٹھ سال کے عرصہ کے بعد اسی گم شدہ آزادی کی قیمت کے پرکھنے والے رانا راج سنگھ کی تلوار پھر آسمان میں چمکنے لگی۔ یہ جنگ رانا راجسنگھ کے ہی خلاف نہ تھا بلکہ تمام ہندو مذہب کے خلاف تھا۔ اور اسی لئے تھوڑی بہت امداد سب ہندوؤں نے دی۔ جنگل کے باشندہ بھیل بھی اپنے اپنے تیر کمان لے کر رانا کی افواج میں آکر شریک ہو گئے۔ چونکہ بادشاہ کی فوج بہت کثیر تھی۔ لہٰذا کھلے میدان میں لڑنا راناجی نے مناسب نہ خیال کیا۔ اُنھوں نے بھی اسی پرانے طریقہ کی پیروی کی جس سے رانا پرتاپ اور امر سنگھ نے مسلمانوں پر کئی مرتبہ فتح حاصل کی تھی۔ سب سرداروں کی رائے سے رانا اس مرتبہ بھی اپنی فوج لے کر پہاڑی سلسلہ میں چلے گئے اور تمام ناکے (راستہ) روک لئے۔

راناجی نے اپنی فوج کو تین حصوں میں منقسم کیا۔ ایک حصہ کو اپنے بڑے لڑکے

اسی دوران میں ایک دو واقعات اور ایسے ہوگئے جن سے رانا اور بادشاہ کے آپس میں اور بھی تن گئی۔ بات یہ تھی کہ ۱۶۷۸ء میں جودھپور کے مہاراجہ جسونت سنگھ جی گذر گئے۔ اوران کے اجیت سنگھ نامی ایک چھوٹا لڑکا رہ گیا اورنگ زیب کی مرضی اس لڑکے کی گردن صاف کرکے مارواڑ ہضم کرنے کی تھی اسی سبب سے اُس نے مارواڑ خالصہ کرلی اوران کی بیوہ رانی کو مع اپنے بچے سمیت دہلی آنے کا حکم دیا۔ رانی بھی بادشاہ کی اس چالاکی کو جانتی تھی۔ اس لئے دہلی نہ جاکر اپنے ایک وفادار سپہ سالار درگا داس کی مدد سے وہ جیسے تیسے رانا راج سنگھ کی پناہ میں چلی گئی۔ اورنگ زیب کی ناراضی کا کچھ بھی خیال نہ کر اُنھوں نے بھی اجیت سنگھ اور اُس کی والدہ کو اپنے سلطنت میں پناہ دی۔ اسی وقت اورنگزیب کے ظلم سے تنگ آکر گوردھن کے گوسائیں بھی دوارکا دھیش اور شری ناتھ جی کی مورتیاں لے کر پناہ کے لئے راناجی کے پاس آئے۔ کانکرولی اور ناتھ دوارے میں ان کو رہنے کے لئے جگہ دے کر رانا نے ان کو بھی آفت سے بچایا۔ راناجی کا جزیہ قبول نہ کرنا بادشاہ کی مرضی کے خلاف اجیت سنگھ کو مدد دینا اور دیوتا کی مورتیوں کو لے کر بھاگتے ہوئے گوسائیں لوگوں کو پناہ دینا یہ تین ایسے سبب ہوئے جن سے بادشاہ کے غصہ کی آگ شعلہ زن ہوگئی۔ اس نے میواڑ کے راجہ کو پیغام بھیجا کہ جزیہ قبول کرکے اجیت سنگھ کو ہمارے سپرد کردو ورنہ شاہی افواج میواڑ کی اینٹ اینٹ کو الگ کردیں گی۔ جنگ اب لازمی ہوگیا۔ دوچار دن تک راناجی کے جواب کا

چاروستی کے سوال کو آگے رکھ کر جنگ شروع کرے. اس لئے اُس نے اپنے مطالب کو دوسری طرح سے حل کیا۔ راج سنگھ ہندو مذہب کے بڑے رہنما تھے اور اس بات کا علم بادشاہ کو بھی تھا. لہٰذا اس نے ہندو مذہب. ہندو قوم اور اس کے رہن سہن پر حملہ کرنا شروع کیا. اور اس نے جزیہ واپس لگا دیا۔ ہندوؤں کے مذہبی میلے اور تیوہار وغیرہ سب بند کر دیئے۔ اُن کے مندروں کو منہدم کرنا شروع کیا اور چاروں طرف اعلان کر دیا کہ جو کوئی ہندو بادشاہ کے بنائے ہوئے قوانین کو ماننے میں حیل وحجت کرے گا اس کو کوڑوں سے پٹیا جاویگا اور جیل خانہ بھیجا جاویگا اور اگر بادشاہ مناسب خیال کریگا تو اُسے سزائے موت بھی دی جائیگی۔

مہارانا راج سنگھ بادشاہ کے ماتحت تھے لہٰذا اُن کے پاس بھی اس بات کی اطلاع دی گئی اس سے رانا جی کو بڑا غصہ آیا اور آخر کار انھوں نے اورنگزیب کی نئی پالیسی کا سامنا کرتے ہوئے ایک خط لکھا جس کا مطلب یہ تھا، "آپ نے جو یہ جزیہ لگایا ہے وہ انصاف اور راہ راست سے بعید ہے۔ آپ اپنے مذہب کے پھیلانے کے معاملہ میں خود مختار ہیں۔ لیکن ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانے کی جو آپ کی پالیسی ہے وہ تہذیب اور دور اندیشی کے خلاف ہے. اس میں رانا جی نے کوئی بُری بات ظاہر نہیں کی تھی اور اس میں انھوں نے بادشاہی کی خیر خواہی کی تھی۔ لیکن بادشاہ نے رانا جی کے خط کی کوئی بھی پرواہ نہیں کی۔ اور وہ اُلٹا ان سے اور بھی زیادہ خفا ہو گیا۔

چونڈاوت کی فتح ہوئی لیکن ہائے دکھ اس بات کا ہے کہ یہ خوشخبری اب وہ کسے سُنائیگا. وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا. آج اگر میری بیوی ہوتی تو اس خبر کو سنکر اُچھل پڑتی اور خوشی سے جامہ میں پھولی نہ سماتی. رانا کی شادی ہوگئی. اور مہارانی کی حفاظت ہوگئی، راجپوتانہ کی عزت رہ گئی اور اس سے زیادہ خوش قسمتی کی بات کیا ہوسکتی ہے کہ میری پیٹھ پر خون کا ایک بھی چھینٹا نہیں لگا. آج میرے دل کی سب خواہشیں، پوری ہوگئیں یہ سوچ کر چونڈاوت گھوڑے پر سے اُتر پڑا لیکن اس کا جسم زخموں سے گھائل ہو رہا تھا کپڑے خون سے سُرخ ہو رہے تھے اور دن بھر کی تھکان سے نہایت ہی کمزور ہوگیا تھا. اس لئے گھوڑے سے اتر کر جب وہ نیچے کھڑا ہوا تو دھڑام سے گر پڑا. اس کے زخموں سے خون بہنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

پچیسواں باب

مہاراج جے سنگھ

بہادر چونڈاوت کی بہادری کے آگے اپنا سر جھکا کر اورنگ زیب جب آگرہ گیا اور وہاں اس کو پتہ لگا کہ چارومتی کی شادی ہوگئی ہے تو اُسے بہت غصہ آیا - اور راج سنگھ سے بدلہ لینے کو تیار ہوگیا. لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ

پروانوں کی طرح جان دینے پر آمادہ ہو گئے ہو۔ اب بھی سنبھل جاؤ گے تو ہم چپ چاپ یہاں سے نکل جائیں گے۔ ورنہ تمہاری بوٹی بوٹی الگ کر تمہارے چیتھڑے اڑا دیں گے۔ راجپوتوں نے بالکل انکار کر دیا۔ اس لئے پھر جنگ ہوئی۔ مسلمان یہ سمجھ کر کہ کہیں بادشاہ کے لئے روپ نگر پہنچنے کی ساعت نہ ٹل جائے بڑی تیزی سے لڑ رہے تھے۔ ادھر راجپوت بادشاہ کو روکنے کے لئے اتنی دیر تک راستے میں ڈٹے رہنا چاہتے تھے کہ جب تک راناجی شادی کر بخیریت لوٹ نہ جائیں دونوں طرفین کے بہادروں نے جان کی بازی لگا دی۔ بڑی بھیانک لڑائی ہوئی۔ دونو طرف کے بہادر اندھے ہو کر خون کی ندیاں بہانے لگے۔ ایسے ہی وقت میں اورنگزیب اور چونڈاوت کا سامنا ہو گیا۔ اس کے گھوڑے نے اپنے پاؤں بادشاہ کے ہاتھی کی پیشانی پر ٹکا دیئے۔ اور چونڈاوت نے اپنا بھالا بادشاہ کی طرف تانا۔ جس سے وہ ایک دم تھرا اٹھا۔ فکر، شرم۔ اور بے عزتی سے اس کا چہرہ مرجھا گیا۔ قریب تھا کہ چونڈاوت وار کر بیٹھتا۔ اتنے میں بادشاہ نے گڑگڑا کر کہا "وہ ہے راجپوت: ناحق کیوں مارتا ہے"

بادشاہ کی عاجزی دیکھ کر چونڈاوت کا ہاتھ رک گیا۔ اور بولا۔ اے مسلمان شہنشاہ عہد کرو کہ دس سال تک میواڑ پر چڑھائی نہ کرو گے اور ابھی یہاں سے سیدھے دہلی چلے جاؤ گے۔ تب تو میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں ورنہ یہ بھالا ابھی تمہارے سینہ کو چھید کر باہر نکلتا ہے" اورنگ زیب بولا "تیرا حکم میرے سر آنکھوں پر"

خاوند کو دیدیا پھر اس نے ایک تیز تلوار سے اپنا سر کاٹ ڈالا۔ پروہت نے لیجا کر اسے چونڈاوت کو دے دیا۔ دیکھتے ہی چونڈاوت کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور ڈوپٹہ میں باندھ کر اُسے پھولوں کے ہار کی طرح گلے میں پہن لیا۔

ادھر راناجی پندرہ سو سپاہیوں کو ساتھ لے کر روپ نگر گئے اور چونڈاوت اپنے پچاس ہزار راجپوتوں کے ساتھ آگرہ سے روپ نگر کے راستے میں آ ڈٹا۔ یہیں سے ہو کر اورنگ زیب روپ نگر جانے کو تھا۔ ڈیرہ ڈالنے کے بعد چونڈاوت نے اپنے کچھ جاسوس شاہی لشکر کی خبر لینے کے لئے بھیجے۔ انھوں نے لوٹ کر خبر دی کہ بادشاہ ہاتھی پر بیٹھا ہوا فوج سمیت اِدھر ہی آرہا ہے۔ سُن کر سب لوگ اسکا مقابلہ کرنے کو تیار ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ بھی اپنے دَل کے ساتھ وہاں آن پہنچا۔ اور اپنے راستے کو رُکا ہوا دیکھ کر چونڈاوت کو کہلا بھیجا کہ ہم آپ سے لڑنے نہیں آئے ہیں ہم کو اودے پور نہیں جانا ہے۔ ہم تو کسی دوسرے مقام پر جا رہے ہیں۔ چونڈاوت نے جواب دیا۔" اس طرح راستہ نہیں مل سکتا۔ ہم چھتری ہیں۔ تم سے ہم نہیں ڈرتے۔ اگر آگے جانے کی خواہش ہو تو ہم کو ہرا کر جا سکتے ہو۔" پھر کیا تھا لڑائی شروع ہو گئی لوہے سے لوہا بجنے لگا۔ اِدھر" مہارانا کی جے" "اُدھر" دین، دین" کہہ کر سپاہی لڑنے لگے۔ دن بھر گھمسان لڑائی ہوئی۔ لیکن کوئی بھی نہ ہارا دن ختم ہو گیا اس لئے دونوں فوجیں اپنے اپنے ڈیرے میں لوٹ آئیں۔

صبح ہوتے ہی پھر بادشاہ نے کہلایا کہ کیوں تم فضول ہی راستہ روک

نمک حرامی کرکے شرمناک طریقہ سے زندگی گذارنے کی نسبت اپنے وطن کی خاطر مصیبتیں اُٹھانا نہایت بہتر ہے۔ آپ جا رہے ہیں آپ کے اس فعل سے نہایت مطمئن اور خوش ہوں۔

دوسرے دن لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ چونڈا کی عورت نے کہا۔ "آپ لڑائی میں جا رہے ہیں۔ آئیے میں آپ کو بہادروں کی پوشاک پہنا دوں" یہ کہہ کر اُس نے چونڈاوت کو زعفرانی پوشاک پہنا دی۔ اس کی کمر میں تلوار باندھ دی۔ پیچھے ڈھال لٹکا دی۔ اور ہاتھ میں بھالا دے کر بولی۔ "میں خدا سے یہی دُعا کرتی ہوں کہ آپ کا بھالا ہزاروں مسلمانوں کو تباہ کرے۔

صبح کو سورج کے طلوع ہوتے ہی چونڈاوت میدان جنگ کی طرف بڑھ چلے گھوڑا سرپٹ بھاگا جا رہا تھا۔ آج مسلمان تباہ ہوں گے اور یہ جسم وطن کے کام آوے گا یہ سوچ سوچ کر ان کا دل خوشی سے بار بار ناچ اُٹھتا تھا۔ گھر سے تھوڑی ہی دور پر انہیں اپنا خاندانی پروہت ملا۔ گھوڑا روک کر بولے "پروہت جی۔ جب آپ اودیپور پہنچیں تب میری بیوی سے کہہ دینا کہ وہ اپنے دھرم کا خیال رکھے۔ یہ کہہ اُنھوں نے پھر گھوڑا پھینکنا شروع کیا۔

پروہت نے آکر چونڈاوت کی عورت کو یہ پیغام سنایا۔ اس بہادر نے سوچا کہ جب تک خاوند کا دل ہچکچاہٹ میں رہیگا۔ تب تک جی لگا کر جنگ میں نہ لڑ سکیں گے۔ یہ سوچکر اُس نے پروہت سے کہا کہ میں اپنا سر کاٹے دیتی ہوں۔ اسے آپ میرے

اورنگ زیب تو کیا اس کی چودہ پیڑھی کے رشتے دار بھی روپ نگر کی حد نہیں دیکھ سکتے۔ شہزادی چارومتی آج سے میواڑ کی مہارانی اور ہماری والدہ ہے جسم میں لہو رہنے تک ہم اپنی میواڑ کی مہارانی کی حفاظت کریں گے۔ کریں گے اور ضرور کریں گے۔ جسم دولت مادر جان دے کر بھی کریں گے۔ بولو مہارانا کی جے۔ مہارانی چارومتی کی جے،، مجلس میں بڑے زور سے تالیاں بجنے لگیں اور جے کے نعروں سے دربار گونج اٹھا۔ مہارانا بڑے خوش ہوئے۔ مجلس برخاست ہوئی پھر سب بہادر اپنے اپنے گھر آئے اور سامان جنگ کی تیاری کرنے لگے۔

گھر پر آکر چونڈاوت نے سارا حال اپنی بیوی سے کہہ سنایا اور بولے۔ پیاری کل میں ایسے جنگ میں جارہا ہوں جہاں سے لوٹنے کی مجھے امید بہت کم ہے اپنی جان کی مجھے کچھ بھی محبت نہیں۔ چھتریوں کے لئے میدان جنگ ہی گناہوں سے بچانے والی گنگا ہے۔ افسوس ہے تو اس بات کا کہ تمہیں اکیلی چھوڑے جاتا ہوں ابھی تمہاری نوجوانی ہے۔ دنیا کا کچھ بھی سکھ تم نے نہیں بھوگا۔ تم میرے پیچھے کیا کروگی؟ یہ سن کر چونڈاوت کی عورت نے جواب دیا ،، میرے مالک! کیا اس چھوٹی سی بات کے لئے آپ اتنا افسوس ظاہر کر رہے ہیں۔ بھروسہ رکھئے کہ آپ کے پیچھے میں ایمانداری سے اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزاروں گی۔ مجھے اس بات کا فخر رہیگا کہ میں اس بہادر کی عورت ہوں جس نے وطن کی خاطر اپنی جان قربان کردی۔ دنیا آپ کی بڑائی کے گیت گائے میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گی۔ اتنا تو میں بھی سمجھتی ہوں کہ وطن سے

مہارانا پرتاپ کی اولاد ہونے کا باپا کے خون کا اور میواڑ میں پیدا ہونے کا گھمنڈ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ سوال ایک شہزادی کی حفاظت کا ہی نہیں۔ لیکن مذہب۔ وطن اور ہندوپن کی حفاظت کا ہے۔ اورنگ زیب نے آج ہندوؤں کی کیسی بری حالت کر رکھی ہے۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ پھر بھی آپ کی یہ خاموشی! افسوس! سخت افسوس!! بھائیو! سوچو تو سہی کہ اگر جو آج آپ بہادر باپا کی اولاد ہو کر بھی اپنے فرض کو نہیں نبھاتے ہیں تو دنیا آپ کے لئے کیا کہے گی۔ کس طرح لوگوں کو آپ اپنا منہ دکھاؤ گے۔

سب لوگ تصویر کی طرح کھڑے ہو کر مہارانا کی تقریر کو سنتے رہے۔ کسی نے اُٹھ کر ایک لفظ بھی نہ کہا لیکن ان میں ایک نوجوان ایسا بھی تھا جس کی بھویں رانا کی باتوں سے تن رہی تھیں۔ جس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور جس کے ہونٹ پھڑک رہے تھے۔ وہ تھا اٹھارہ برس کا نوجوان چونڈاوت سردار مہارانا کی طرف دیکھ کر وہ کچھ آگے بڑھا اور بولا ''جب تک چونڈاوت کے ان بازوؤں میں طاقت ہے اور اس کے جسم میں دم ہے تب تک مسلمانی فوج کا ایک بھی سپاہی روپ نگر میں داخل نہ ہو سکے گا۔ ہمارے بزرگوں نے بہت قسم کی مصیبتیں اُٹھا کر اپنا لہو اور گوشت خرچ کر اور ہڈیاں گھس گھس کر کے اپنے مذہب۔ وطن اور شان کی حفاظت کی ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم انہیں بہادروں کی اولاد ہو کر ان کی شاندار بڑائی کو میلا کریں۔ موت منظور ہے۔ لوگوں کے طعنے نہیں۔ میں عہد کرتا ہوں کہ چار دن تک

اس وقت سوئی بھی گرتی تو اُس کی آواز سُنائی دیتی ۔ برچھی ۔ ڈھال ۔ تلوار ۔ کٹار وغیرہ ہتھیاروں سے لیس بہادر چپ چاپ مہارانا کے منہ کی طرف دیکھتے رہے تھے بہادروں کے جھنڈ کو دیکھ کر یہی معلوم ہوتا تھا کہ بہادری کا جوش امن اور سکون کی حالت میں چھپ گیا ہے ۔ تھوڑی دیر تک عین خاموشی رہی ۔ پھر راناجی نے چارومتی کا خط پڑھ کر سنایا ۔ سن کر سب ششدر رہ گئے ۔ سب میں بہادری کا جوش اُمنڈ آیا ۔ اور سب نے صلاح دی کہ چارومتی کے دھرم کی حفاظت ضرور ہونی چاہیئے ۔ لیکن مہارانا نے کہا ۔ " سردار و میری پچاس ہزار فوج لے کر اورنگ زیب کو روک سکے کس میں ایسا حوصلہ ہے ؟ کون ایسا بہادر ہے ؟ اگر آپ یہ مانتے ہیں کہ چارومتی کے دھرم کی حفاظت کرنا آپ کا پہلا فرض ہے ۔ تو آپ کو اپنا خون بہانا پڑے گا سر کٹانا پڑے گا ۔ اور زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیگا ۔ صرف صلاح دینے سے کام نہ چلیگا کچھ کر کے دکھانا ہوگا ۔ میدان جنگ میں اُتر کر آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ باپا سے بہادر سانگا سے حوصلہ مند اور پرتاپ سے ہمت ور آج بھی میواڑ میں موجود ہیں ۔

مہارانا کی اس تقریر سے مجلس میں ایک دفعہ پھر سناٹا چھا گیا ۔ کچھ بہادروں کے سر جھک گئے اور کچھ دوسروں کا منہ تاکنے لگے ۔ مہارانا کو یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا شیر کی طرح گرجتے ہوئے وہ پھر بولے ، " جب باپا کے خاندان والوں میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ ایک لڑکی کے دھرم کی حفاظت کر سکیں اپنے باپ دادا کی شان قائم رکھ سکیں تب اُن کا چھتری پن ۔ بہادری اور انسانیت ہو چکی ۔ بجا ہو ! آج سے آپ کو

پناہ مانگتی ہوں۔ حفاظت کیجیے ورنہ ایک بے قصور لڑکی کی خودکشی
کا گناہ آپ کے سر چڑھ جائے گا۔ میں جانتی ہوں کہ میں آپ کے لائق
نہیں ہوں۔ آپ کے لائق ہونے کی کوشش کرنا ہی میرے لیے
ایک مقدس خواہش ہے۔ لیکن آپ ہندو ہیں۔ چھتری خاندان کے
چراغ ہیں۔ وطن کی شان ہیں۔ ایک ہندو لڑکی کے مذہب، خاندان
اور عصمت کی حفاظت ضرور کریں گے اس پر مجھے بھروسہ ہے۔
یاد رہے اگر مجھے دہلی جانا پڑا۔ تو راستے میں ہی اپنا خاتمہ
کر دوں گی جس طرح شیرنی شیر کا اور ہنسنی ہنس کا ساتھ نہیں چھوڑ
سکتی۔ اسی طرح ایک چھترانی بھی چھتری خاندان کو چھوڑ کر مغلانی
نہیں بن سکتی۔ چند دن تک میں آپ کے آنے کا انتظار کروں گی۔
اگر اس عرصہ میں آپ نہیں آئے تو میں اس مقام پر چلی جاؤں گی
جہاں مجھے اورنگ زیب کا کچھ بھی ڈر نہ ہوگا۔

آپ کی داسی

چارومتی

جب یہ خط رانا کے پاس پہنچا وہ غصہ سے تلملا اٹھے۔ اور اسی دن شام
کو انہوں نے سب سرداروں امراؤں کی مجلس کی۔ جلسہ گاہ آج بہادروں سے کھچا کھچ
بھر گیا۔ اس میں تل رکھنے کو بھی جگہ نہ تھی۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اگر

ہاتھ میں آگیا لیکن اس شرط پر کہ اس کی مرمت نہ کرائی جائے۔ یہ سب ہوا لیکن رانا امر سنگھ کو جو دھکا اس صلح سے لگا۔ اس سے وہ پھر نہ سنبھل سکے۔ ان کے دل میں اس سے بڑی نفرت پیدا ہو گئی سلطنت کا کام چھوڑ کر کنج تنہائی اختیار کیا اور جب تک زندہ رہے امر محل سے باہر نہ نکلے۔ مرنے کے بعد ہی اُن کی لاش کے درشن لوگوں کو آہٹر میں گنگو دبھو کے پاس جہاں وہ داہ کریا کے لیے لائی گئی تھی ہوئے۔ مہارانا امر سنگھ کی چھتری (سمادھ) اب تک وہاں موجود ہے مہاستیوں میں سب سے پہلی چھتری انہیں کی بنی تھی۔ اور انہی کی رحلت کے بعد میواڑ کے مہاراناؤں کی داہ کریا مہاستیوں میں ہونے لگی ہے۔ مہارانا امر سنگھ نے ۱۶۲۰ء میں اس دنیا سے رحلت فرمائی۔

چھبیسواں باب

بہادر چونڈاوت سردار

اورنگ زیب کے وقت کی بات ہے روپ نگر کے راجہ روپ سنگھ کے چارومتی نام کی ایک نہایت ہی خوبصورت لڑکی تھی جب لڑکی شادی کے لائق ہوئی تب اورنگ زیب نے اُس کے والد کو خط لکھا کہ میں تمہاری لڑکی سے شادی کرنے آرہا ہوں سب سامان تیار رکھنا۔ چارومتی کے والد کی خواہش اپنی بیٹی کو ایک مسلمان

کے لئے کہنا اور پھر ان سے منظوری لے لینا ایک مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بات تھی اس
لئے سرداروں نے یہ طے کیا کہ اس کے متعلق پہلا اسے پوچھا جائے نہ کہ ان کے بڑے
بیٹے کرن سنگھ کے ذریعہ صلح کی بات چلائی جائے۔

سب مل کر کرن سنگھ کے پاس گئے اور کسی نہ کسی طرح انہیں اپنی طرف لا لیا۔
پھر ایک صلح نامہ شہزادے خرم کے پاس بھیجا گیا۔ صلح نامہ میں چار شرطیں خاص تھیں۔
ان میں ایک یہ تھی کہ مہارانا کبھی شاہی دربار میں حاضر نہ ہوں گے۔ خرم صلح کے لئے
پہلے ہی سے تیار بیٹھا تھا اس سنہری موقع کو خود آیا دیکھ اسے بے حد خوشی ہوئی اور
جھٹ سے سب شرطیں منظور کر لیں۔ امر سنگھ کو اس کے متعلق ابھی کچھ علم نہ تھا۔ جب
شاہی فرمان آ گیا۔ انہیں خبر دی گئی۔ اسے سن کر وہ ویسے ہو گئے۔ جیسے انہیں لقوہ
مار گیا ہے۔ [illegible] سمجھتے ہیں انہوں نے کرن سنگھ اور سرداروں
سے کہا کہ یہ کام تم نے [illegible] خاندان کو
بدنام کر دیا ہے۔ [illegible] کے ماتحت
[illegible]

[illegible] ہو گئے۔ وہاں بادشاہ
نے [illegible] ایک جڑاؤ
[illegible] لڑکے
[illegible] اس کے ساتھ جہانگیر بھی رانا کے

بچوں اور خاندانی عورتوں پر دن دھاڑے ظلم ہونے سے ملک میں چاروں طرف ہاہاکار مچ گیا۔ رانا امر سنگھ چھاتی پر پتھر رکھ کر یہ حالت دیکھ رہے تھے۔ لیکن چارہ ہی کیا تھا؟ پرتاپ کے یہ آخری الفاظ "امر سنگھ سے میواڑ کی شان کی حفاظت نہ ہو سکیگی" رہ رہ کر اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ اس لئے انھوں نے بھی عہد کر لیا تھا کہ مر جائیں گے پر آزادی کو نہ چھوڑیں گے۔

رانا کا پکا عہد اور ملک کی بری حالت سرداروں سے نہ دیکھی گئی۔ سب نے مل کر یہ طے کیا کہ دولت۔ پانی۔ اور ہتھیاروں کی کمی کی وجہ سے اگر دہلی سے صلح کر لی جاوے تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہے ہم نے جہاں تک ہو سکا اپنے فرض کو سنبھالا۔ اب واجب یہی ہے کہ جیسے بھی ہو سکے ملک پر بڑھتے ہوئے ظلموں کو روکیں سرداروں نے مل کر صلح کرنا طے تو کر لیا۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ رانا کبھی بھی ہماری تجویز اور فیصلے کو منظور نہ کریں گے۔ مغل دربار میں راجہ مہاراجوں کی کیا حالت ہوتی ہے اور ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا ہے اسے رانا اچھی طرح جانتے تھے۔ اور سردار بھی مغل شہنشاہ کے ماتحت راجاؤں۔ امراؤں اور امیروں کو شاہی جھروکے کے نیچے کھڑے کھڑے جھک جھک کر سلام کرنا پڑتا تھا۔ کئی گھنٹوں تک بادشاہ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہنا پڑتا تھا۔ بادشاہ کے فرمان کے مطابق ضلعوں میں جا کر مسلمان افسروں کے نیچے رہ کر کام کرنا پڑتا تھا۔ اور کبھی کبھی بادشاہ معمولی بات پر ناراض ہو کر ان کی ڈیوڑھی معاف کر دیتا تھا۔ ان پر جرمانہ کر دیتا تھا۔ ایسی حالت میں امر سنگھ کو صلح

تئیسواں باب

مہارانا امر سنگھ

چونڈاوت اور سکتاوت کے باہم جھگڑے کا ایک نتیجہ یہ تو ہوا کہ شاہی تھانے میواڑ سے اُٹھ گئے۔ اور سلیم کو ہار کر میواڑ سے چلا جانا پڑا۔ لیکن اکبر کی حکمت عملی پر اسکا اثر کچھ بھی نہ پڑا۔ کیونکہ میواڑ پر قبضہ کرنے کی زبردست خواہش اس کے دل سے پھر بھی دور نہ ہوئی۔ دور بھی کیسے ہوتی؛ اس کی تو خواہش یہ مضبوط ہو گئی تھی کہ سارے ہندوستان کی حکومت بھی اگر ہاتھ لگ جائے اور میواڑ نہ ملے تو سب فضول ہے۔ پھر اس کے پاس فوج کی بھی کمی نہ تھی۔ مغل فوج ایک دفعہ ہار کر بھاگ آئی یا لڑائی میں کٹ گئی تو کیا ہوا؟ چار اُس کی جگہ تیار تھیں۔ اگر ایک سپاہی مارا جاتا تو دس اس کی جگہ بھیجے جا سکتے تھے۔ اس لئے سلیم کی شکست سے مایوس نہ ہو کر اکبر نے پھر اسی کو امر سنگھ سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ لیکن راجپوتوں کی جنگی طاقت کا اندازہ اسے پہلی دفعہ ہی ہو چکا تھا۔ اس لئے میواڑ میں نہ آ کر وہ الہ آباد چلا گیا اور وہاں سے ٹال مٹول کرتا رہا۔ اسی دوران میں اکبر کوچ کر گیا جس سے میواڑ کو ماتحت کرنے کے سب خواب۔ سب اُمیدیں سب ارمان بھی اسی کے ساتھ قبر میں سو گئے۔

صرف بلو سنگھ میں کچھ سانس باقی تھا۔ نہایت ہی رنج اور دکھ ظاہر کرتے ہوئے رانا نے بلو سنگھ کے زخمی جسم کی طرف دیکھا۔ مرتے ہوئے بلو سنگھ کا ہاتھ سلام کے لئے ماتھے تک اٹھا اور اس کے منھ سے یہ آواز نکلی۔ دُوناوتار۔ چوگنا جوجھار۔ خراسانی ملتانی۔ اگل۔

عزت کے لئے مرتے ہوئے بلو کی حالت دیکھ کر رانا کا دل پسیج گیا۔ بڑے ہی معزز الفاظ میں انہوں نے اس کی تعریف کی اور وہاں سے چلے گئے۔ دونوں فریقین کو اپنے اپنے عزیزوں کے لئے لڑکر آپس میں کٹ مرنے کا رانا کو دکھ ہوا۔ لیکن ساتھ ہی اونٹالے کا قلعہ ان کے قبضہ میں آگیا تھا۔ اس لئے خوشی بھی ہوئی۔ رانا نے دونوں فریقین کی عزت افزائی کی۔ لیکن ہراول میں رہنے کا حق چونڈاوتوں کو ہی حاصل ہوا۔ کیونکہ جیت سنگھ کا سر قلعہ میں پہلے پہنچا تھا۔

---

[1] دوگنا۔
[2] ترنیتی۔
[3] یہ مسلمان سرداروں کے نام ہیں جن کو شکتی سنگھ نے پرتاپ کا پیچھا کرتے وقت مارا تھا۔
[4] رستہ روکنے والے۔

ہی دھڑام سے زمین پر آگرے۔

چونڈاوتنا راستے سے ناواقف تھے۔ اور رات بھی اندھیری تھی۔ اس لیے ساری رات اِدھر اُدھر بھٹکنے میں لگ گئی۔ صبح ہونے پر انہیں ایک بھیل نے راستہ بتلایا۔ وہ جانتے تھے کہ سکتاوتوں نے قلعہ پر کبھی کا قبضہ کر لیا ہوگا۔ تو بھی وہ گرتے پڑتے قلعہ تک پہنچ گئے۔ وہاں جاکر جب انھوں نے دیکھا کہ سکتاوت ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے ہیں تو ان کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور جلد ہی قلعہ میں پہنچنے کی کوشش کرنے لگے۔ سیڑھیاں لگاکر راوت جے سنگھ قلعہ کی دیوار پر چڑھ گیا۔ اور اندر کودنے ہی کو تھا کہ اتنے میں ایک گولی اُس کی چھاتی پر لگی۔ جس سے کٹے ہوئے درخت کی طرح وہ زمین پر آگرا۔ اس کو گرتے دیکھ سکتاوتوں نے اپنی فتح کا ڈنکہ پیٹنا شروع کیا۔ پھر بھی چونڈاوتوں نے حوصلہ نہ ہارا۔ زمین پر گرتے ہی جیت سنگھ نے کہا کہ "میرا سر کاٹ کر قلعہ کے اندر پھینک دو۔ چونڈاوتوں نے ایسا ہی کیا۔ ان میں سے کچھ سیڑھیوں کی مدد سے دیوار پر چڑھ گئے۔ اور جیت سنگھ کے سر کو قلعہ میں پھینک دیا۔ اسی وقت سکتاوتوں نے پھاٹک کے کواڑ توڑے اور بجلی کی تیزی سے اندر گھسنے لگے۔ گھمسان لڑائی ہوئی۔ مغل بھاگ گئے۔ اور راجپوتوں نے قلعہ میں اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔

امر سنگھ کے پاس جب اونٹالے کے جیت کی اطلاع پہنچی تو وہ دوڑے ہوئے آئے۔ چاروں طرف لاشوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ سکتاوت سردار بلّو سنگھ کی لاش کیلوں سے چھدی ہوئی دروازے پر پڑی تھی۔ پاس ہی اُس کے چار بھائی مرے پڑے تھے

کرنے لگے تو انہیں یہ سوچ کر بڑا دکھ ہوا کہ جلدی اور گھبراہٹ میں وہ رسیاں اور سیڑھیاں لانی بھول گئے ہیں۔ ان کی خوشی رنج میں بدل گئی۔ سب کے سب ہاتھ مل مل کر پچھتانے لگے۔ قلعہ میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی راستہ اب پھاٹک تھا بس سب مل کر اسی کو توڑنے کی کوشش کرنے لگے قلعہ والوں کو جب اس کا پتہ لگا تو وہ بھی پھاٹک پر آدھمکے۔ دونوں دلوں میں مار کاٹ اور گھتم گتھا شروع ہوئی شکتاوت سردار بلّو سنگھ نے دیکھا کہ پھاٹک بہت کمزور ہو گیا ہے۔ اس لئے اس پر اگر ہاتھی ریل دیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ بالکل ٹوٹ کر نیچے گر جائے۔ اسی خیال سے اس نے مہاوت کو ہاتھی آگے بڑھانے کا حکم دیا۔ اس نے ویسا ہی کیا۔ ہاتھی آگے بڑھا ضرور لیکن دروازہ کے باہر کی طرف تیز بھالے نما کیلے لگے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا اتنے میں پیچھے سے چنڈاوتوں کے آ پہنچنے کی خبر ملی۔ اس سے ڈر اور نا اُمیدی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی؟ شکتاوت سردار بلّو سنگھ کا دل دھڑکنے لگا۔ کچھ دوسرا ذریعہ نہ دیکھ کر وہ ان کیلوں پر جو کواڑ میں لگے ہوئے تھے چڑھ گیا۔ اپنی کمر پھاٹک میں اڑا دی اور مہاوت سے چلا کر بولا کہ ہاتھی کو فوراً میرے اوپر ہُول دے نہیں تو تیرا سر اڑا دونگا۔ مہاوت جانتا تھا کہ لڑائی میں راجپوت جان کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس نے زور سے ایک انکس ہاتھی کے مارا۔ انکس کے لگتے ہی ہاتھی چنگھاڑ اٹھا اور غصہ میں آکر اس نے ایک ٹکر زور سے ماری جس سے لوہے کے نوکدار کیلے بلّو سنگھ کے آر پار ہو گئے۔ کواڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور اس کے چھدے ہوئے جسم کے ساتھ

ملی ہوئی تھی۔ شکتاوتوں کی وجہ سے اپنی عزت میں بٹہ لگتے دیکھ کر سب چونڈاوت بھی اپنے حق کے لئے مرنے مارنے کو تیار ہو گئے اور رانا کے پاس جا کر کہنے لگے کہ ہم اپنے رہتے ہوئے شکتاوتوں کو کبھی بھی ہراول میں نہ رہنے دیں گے۔ مر جائیں گے۔ پر اس طرح بے عزت نہ ہوں گے شکتی سنگھ کے بیٹے چاہے آپ کے کتنے ہی نزدیکی رشتے دار کیوں نہ ہوں۔ ہم اپنے خاندانی حقوق کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ادھر شکتی سنگھ کے بیٹے کہتے تھے کہ جو عہدہ انہیں ایک دفعہ مل چکا ہے اسے وہ نہیں چھوڑ سکتے۔ رانا بڑے وسوسہ میں پڑ گئے۔ بہت بحث مباحثہ ہوا پر کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ رانا کو ڈر تھا کہیں آپس میں دونوں دل نہ کٹ مریں۔ سمجھوتے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ دیکھ رانا نے کہا کہ ہراول اسی کو ملے گا جو اونٹالے کے گڑھ میں پہلے داخل ہو جائیگا،، رانا کی یہ بات سب کو پسند آئی۔ حکم سنتے ہی چونڈاوت اور شکتاوت اپنی اپنی فوجیں لیکر بنا کسی دیر کے بحث مباحثہ چھوڑ کر اونٹالے کی طرف بڑھے۔

اونٹالے کا قلعہ اونچی زمین پر بنا ہوا تھا۔ اُس کے چاروں طرف فصیل تھی۔ اور بیچ میں اسلحہ خانہ بنا ہوا تھا۔ اس کے پاس ہی قلعہ کے محافظ کا محل تھا۔ جس کے چاروں طرف خندق کھدی ہوئی تھی۔ قلعہ میں جانے کا صرف ایک راستہ تھا۔ سب سے پہلے بہادر شکتاوت وہاں پہنچے اور قلعہ پر دھاوا کرنے کا علاج سوچنے لگے چونڈاوت ابھی تک وہاں نہ پہونچے تھے۔ اُن کا کہیں کوسوں تک پتہ نہ تھا۔ اس لیے شکتاوت سوچنے لگے کہ ہم نے میدان مار لیا لیکن جب وہ قلعہ کی دیوار پر چڑھنے کا ارادہ

انہیں دیدیئے گئے۔ اور اسی وقت سب کے سب شکتاوت ایدر کی طرف چل پڑے بہت قسم کی مصیبتیں اُٹھاتے ہوئے سب بہادر ایدر پہنچے۔ وہاں اُن کی بڑی عزت ہوئی اور تب سے وہ وہیں رہنے لگے۔ اس وقت میواڑ پر رانا امر سنگھ کی حکومت تھی میواڑ کا بہت سا حصہ مغلوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ اکبر کے حکم سے اُس کے بیٹے سلیم نے مانڈل۔ موہی۔ باگور۔ اونٹالا وغیرہ کئی مقاموں پر تھانے بٹھلا دیئے تھے۔ اس لئے رانا مغلوں سے جنگ کرنے کے لئے رنگروٹ بھرتی کر رہے تھے۔ اسی وقت ان کے وزیر نے شکتی سنگھ کے بیٹوں کی یاد دلائی شکتاوت سب بہادر تھے اس لئے رانا نے ایک قاصد بھیجکر انہیں اپنے پاس بلا کر راجپوت فوج میں بھرتی کر لیا۔ رانا نے سب بھائیوں کو ہر طرح سے قابل پایا۔ سب بھائی بڑے ہی بہادر حوصلہ مند اور آدمی تھے خاص کر بلو سنگھ بڑا ہی بہادر ماہر جنگ آدمی تھا۔ سب لوگ اُسے دیو سمجھتے تھے وہ رانا کی بھلائی میں اپنی بھلائی اور اُن کے دکھوں میں اپنا دُکھ سمجھتا تھا۔ جب کبھی لڑائی ہوتی تھی تو بلو سنگھ کا گھوڑا سب سے آگے ملتا تھا۔ ایک دن لڑائی میں بلو سنگھ نے اس زور اور شہ زوری سے تلوار چلائی کہ مغل فوج نو دو گیارہ ہو گئی۔ اس سے رانا بڑے خوش ہوئے اور اُن کے منہ سے نکل گیا۔ "اب سے ہراول (فوج کا اگلا حصہ) میں شکتاوت رہیں گے۔

ہراول میں رہنا اس وقت بڑی شان کی بات سمجھی جاتی تھی۔ ابھی تک چونڈاوت ہی رانا سے اُتر کر سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے ہراول میں رہنے کی عزت انہیں کو

بائیسواں باب

شکتی سنگھ کے بیٹے

جلد ہی گھاٹی کی جنگ کے بعد شکتی سنگھ نے بھی اکبر کا ساتھ چھوڑ دیا اور بھنیسر وڑ گڑھ میں رہنے لگے۔ جب وقت آنھوں نے رحلت فرمائی اُن کے سولہ لڑکے بستر کے پاس کھڑے تھے۔ جب وہ مر گئے تو سب سے بڑے لڑکے نے کہا کہ پندرہ بھائی لاش کے ساتھ داہ کریا کے لئے جائیں گے۔ اور میں پیچھے قلعہ کی حفاظت کروں گا۔ بڑے بھائی کے اس حکم سے کسی کو بھی کسی قسم کا شک نہ ہوا۔ لیکن والد کی داہ کریا کر کے جب سب گھر لوٹے اور قلعہ کو اندر سے بند پایا تو ان کی حیرانگی کی حد نہ رہی۔ ان کے دل میں بڑا وسوسہ پیدا ہوا۔ باہر کھڑے کھڑے سب قسم کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے کہ اتنے میں بڑا بھائی کھڑکی میں سے سر نکال کر بولا۔ بھنیسر وڑ گڑھ اتنے اشخاص کی پرورش نہیں کر سکتا۔ اچھا ہوتا اگر کسی دوسرے مقام پر جا کر آپ اپنی روزی کا انتظام کر لیتے بڑے بھائی کا ایسا روکھا سلوک دیکھ کر بھی شکتاوت بہادروں نے اس کے خلاف زبان نہ ہلائی۔ انھوں نے معمولی طور سے یہی کہا کہ اچھی بات ہے ہمارے گھوڑے اور ہتھیار ہمیں دیدیجئے ہم ابھی یہاں سے چلے جائیں گے ان کے گھوڑے اور ہتھیا

آپ کو مٹا کر بھی اپنے وطن۔ اپنے مذہب اور اپنی قوم کی حفاظت کرنا ایک معمولی بات نہیں ہے یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب آدمی کی جسمانی اور دماغی طاقت بہت ترقی یافتہ ہو پھر پرتاپ کے چلن کی یہی ایک بڑی خصوصیت ہے۔ اسی وجہ سے ان کا نام بھی رام نام کی طرح ہر ایک ہندوستانی کی زبان پر ہے۔ ہندو دھرم، ہندو قوم اور ہندو تہذیب کی حفاظت کے لئے جو جو دکھ مہارانا نے اٹھائے وہ راجپوتانہ کی تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھے ہوئے ہیں اور لکھے رہیں گے۔ مہارانا کو دنیا چھوڑے کئی صدیاں گذر گئیں لیکن ان کی تصویر آج بھی ہندوستانیوں کے دل کے پردے پر کھچی ہوئی ہے۔ مہارانا کی بہادری کے گیت اراولی کی ہر ایک چھوٹی اور گھاٹی میں آج بھی سنائی پڑتے ہیں میواڑ کے ذرے ذرے پر بہادر پرتاپ کے پرتاپ کی چھاپ لگی ہوئی ہے اور میواڑ کا ہر ایک گھر ہر ایک جنگل، ہر ایک کھیت مہارانا کی یاد میں پاک بنا ہوا ہے۔

قائم کئے ہوئے تھا بہت اپنی آن کو	کیوں ہیچ پھر نہ سمجھے شاہوں کی شان کو
میدانِ جنگ میں بھی ہمیشہ تھا سر بکف	پھرتا رہا لئے وہ ہتھیلی پہ جان کو
رن میں پڑا ہی نہ تھا پیچھے قدم پرتاپ کا	آساں سے بات کرتا تھا علم پرتاپ کا
اچھے اچھوں نے سر اس کے سامنے خم کر دئے	سر کسی کے سامنے پھر کیا ہو خم پرتاپ کا

تھی وطن سے کیسی الفت اس کو بسمل اس لئے
نام لیتے ہیں ادب کے ساتھ ہم پرتاپ کا

ترجمہ:۔ ہے گہلوت رانا پرتاپ سنگھ تیری موت کی خبر سُن شاہ (اکبر) نے دانتوں تلے زبان دبائی اور سانس کے ساتھ آنسو ٹپکائے۔ کیونکہ تو نے اپنے گھوڑے کے داغ نہیں لگنے دیا۔ اپنی پگڑی کو کسی کے سامنے نہیں جُھکایا۔ سب سے اُلٹا بول کر تو اپنی بڑائی کے گیت گوا گیا۔ اپنے بائیں کندھے سے تو اپنی حکومت کے دُھرے کو چلاتا رہا۔ نہ کبھی تو نوروز کے جلسہ میں شامل ہوا۔ نہ کبھی شاہی ڈیروں میں گیا۔ اور نہ کبھی شاہی جھروکے کے نیچے ہی کھڑا رہا۔ تیرے رعب کا دبدبہ دنیا پر جما ہوا تھا۔ اس لئے سب طرح سے تیری ہی فتح ہوئی ہے۔

اس طرح ساری دنیا کو روتا بلکتا چھوڑ ہندو دھرم کا وہ ستون ہمیشہ کے لئے ٹوٹ کر گر گیا۔

پیارے پڑھنے والو! رانا پرتاپ کی بہادری کے متعلق آپ نے پچھلے بابوں میں بہت کچھ پڑھا ہے۔ لیکن یہ مت سمجھیئے گا کہ وہ صرف بہادر ہی تھے۔ اور دوسرے اوصاف کا ان میں وجود ہی نہ تھا۔ نہیں ایسا سمجھنا غلطی ہوگی۔ حکومت کے کاموں میں رعایا کی پرورش میں فوجی تنظیم میں اور بڑے بڑے دشمنوں کو نیچا دکھانے میں اُنھوں نے جو مثال دکھائی اُس کا ثانی ملنا مشکل ہے۔ پرتاپ صرف ایک بہادر اور حوصلہ مند لڑاکے ہی نہ تھے۔ ان میں خصوصیت یہ تھی کہ جسمانی طاقت کے ساتھ ان کا دماغ بھی اونچا تھا۔ اپنی دماغی اور جسمانی طاقتوں پر ان کا برابر قبضہ تھا۔ کسی قسم کی آسانیاں نہ ہوتے ہوئے بھی اکبر جیسے بڑے شہنشاہ کی بے شمار فوج سے لوہا لینا اور اپنے

جاؤ، فتح مند ہو. عزت پاؤ اور سکھی رہو۔"

یہ کہہ کر پرتاپ چپ ہو گئے. امر سنگھ نے ان کے قدم چومے. رانا نے بیٹے کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا. تھوڑی دیر کے بعد رانا کا گلا رک گیا. ان کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ انھوں نے لمبی سانس لی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس دنیا سے کوچ کر گئے. امر سنگھ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا. سرداروں نے بھی مہارانا کے قدموں کو چھوے پھر آنسو بہاتے ہوئے داہ کریا کی تیاری کرنے لگے۔

بہادر مہارانا پرتاپ کی موت سے ملک میں ہاہاکار مچ گئی. اس پر رنج کی گھٹا چھا گئی. کون رویا. کون نہیں رویا. اس کی طرف دھیان نہ دے کر چھوٹے. بڑے آدمی. عورت. امیر غریب سب آنسو بہانے لگے وہ روئے جوان کو اپنے دل کا ایک سمجھتے تھے. اور وہ بھی روئے جنھوں نے زندگی بھر اُن کی مخالفت کی تھی جو رو نہ سکے وہ روتے اور خوب روئے. رو کر انھوں نے آنسوؤں سے اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کی. اکبر نے جب مہارانا کی موت کا حال سنا تو وہ بھی ایک دم حزن رو گیا. دکھی ہو کر اس نے بھی مہارانا کی پاک یاد میں دو آنسو بہا دیئے اسی وقت ایک چارن نے یہ شاعری کہی۔

اُس لے گوڑان داگ. پاگھ لیگرن نامی — گو آڑا گبڑائے. جیکو بہتو دھر دامی
نرودبے نگیر. نگیو آتساں نولی — نہ گیو جھرد کے ہیٹھ. جیٹھ دنیاں دہلی
گہلوت رانا جیتے گیو. دسن موند رسنا ڈسی — نی ساس موک بھریا نین. تو مرت شاہ پرتاپ سی

ترجمہ :۔ اے گہلوت رانا پرتاپ سنگھ تیری موت کی خبر سن شاہ (اکبر) نے دانتوں تلے زبان دبائی اور سانس کے ساتھ آنسو ٹپکائے۔ کیونکہ تو نے اپنے گھوڑے کے داغ نہیں لگنے دیا۔ اپنی پگڑی کو کسی کے سامنے نہیں جھکایا۔ سب سے اُلٹا بول کر تو اپنی بڑائی کے گیت گوا گیا۔ اپنے بائیں کندھے سے تو اپنی حکومت کے دُھرے کو چلاتا رہا۔ نہ کبھی تو نوروز کے جلسہ میں شامل ہوا۔ نہ کبھی شاہی ڈیروں میں گیا۔ اور نہ کبھی شاہی جھروکے کے نیچے ہی کھڑا رہا۔ تیرے رعب کا دبدبہ دنیا پر جما ہوا تھا۔ اس لئے سب طرح سے تیری ہی فتح ہوئی ہے۔

اس طرح ساری دنیا کو روتا بلکتا چھوڑ ہندو دھرم کا وہ ستون ہمیشہ کے لئے ٹوٹ کر گر گیا۔

پیارے پڑھنے والو! رانا پرتاپ کی بہادری کے متعلق آپ نے پچھلے بابوں میں بہت کچھ پڑھا ہے۔ لیکن یہ مت سمجھئے گا کہ وہ صرف بہادر ہی تھے۔ اور دوسرے اوصاف کا ان میں وجود ہی نہ تھا۔ نہیں ایسا سمجھنا غلطی ہوگی۔ حکومت کے کاموں میں رعایا کی پرورش میں فوجی تنظیم میں اور بڑے بڑے دشمنوں کو نیچا دکھانے میں اُنہوں نے جو مثال دکھائی اُس کا ثانی ملنا مشکل ہے۔ پرتاپ صرف ایک بہادر اور حوصلہ مند لڑاکے ہی نہ تھے۔ ان میں خصوصیت یہ تھی کہ جسمانی طاقت کے ساتھ ان کا دماغ بھی اونچا تھا۔ اپنی دماغی اور جسمانی طاقتوں پر ان کا برابر قبضہ تھا۔ کسی قسم کی آسانیاں نہ ہوتے ہوئے بھی اکبر جیسے بڑے شہنشاہ کی بے شمار فوج سے لوہا لینا اور اپنے

جاؤ. فتح مند ہو. عزت پاؤ اور سکھی رہو"
یہ کہہ کر پرتاپ چپ ہو گئے. امر سنگھ نے ان کے قدم چومے. رانا نے بیٹے کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا. تھوڑی دیر کے بعد رانا کا گلا رک گیا. ان کی آنکھیں پتھرا گئیں. اُنھوں نے لمبی سانس لی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس دنیا سے کوچ کر گئے. امر سنگھ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا. سرداروں نے بھی مہارانا کے قدموں کو چھوے پھر آنسو بہاتے ہوئے داہ کریا کی تیاری کرنے لگے.

بہادر مہارانا پرتاپ کی موت سے ملک میں ہاہا کار مچ گئی. اس پر رنج کی گھٹا چھا گئی. کون رویا. کون نہیں رویا. اس کی طرف دھیان نہ دیجئے کہ چھوٹے بڑے آدمی. عورت. امیر غریب سب آنسو بہانے لگے وہ روئے جو ان کو اپنے دل کا مالک سمجھتے تھے. اور وہ بھی روئے جنھوں نے زندگی بھر ان کی مخالفت کی بھی جو رو رو سکے وہ روئے اور خوب روئے. رو کر اُنھوں نے آنسوؤں سے اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کی. اکبر نے جب مہارانا کی موت کا حال سُنا تو وہ بھی ایک دم حق رہ گیا. دکھی ہو کر اس نے بھی مہارانا کی پاک یاد میں دو آنسو بہا دیئے اسی وقت ایک چارن نے یہ شاعری کہی.

اُس لے گوان داگ. پاگھ لیگران امی	گو آڑا گبڑائے. جیکو بہتو دُھر وامی
نو روجے نہ گیو. نہ گیو آتساں نوّلی	نہ گیو جھرد کے ہیٹھ. جیٹھ دنیاں دہلی
گہلوت ران جیتے گیو. دسن مونڈ ارسنا ڈسی	نی ساس مُوک بھر یا نین. تو مرت شاہ پرتاپسی

کو حضور کے حکم کی عدولی نہ کرنے دینگے۔ ان کو اپنا فرض سمجھاتے رہیں گے اور جب تک سارے میواڑ کو آزاد نہ کرالیں گے جھونپڑیوں میں رہ کر اپنی زندگی گذاریں گے۔

سرداروں کو ایسا عہد کرتے دیکھ رانا جی کو کچھ تسلی ملی اور اُن کے چہرے پر خوشی کے نشان دکھائی پڑنے لگے۔ پاس ہی بیٹھا ہوا امر سنگھ آنسو بہا رہا تھا۔ پرتاپ نے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا اور بولے "امر! رو مت۔ صبر رکھو۔ ایک دن مرنا سب کو ہے ہمیشہ رہنے کو کوئی نہیں آیا ہے۔ بیٹا تمہاری والدہ چل بسی اور میں بھی تیاری کر رہا ہوں لیکن اس سے یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں اکیلا چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ نہیں میں تمہیں ان لوگوں کے پاس چھوڑ کر جا رہا ہوں جنھوں نے کم سے کم پچیس برس تک بیشمار دکھوں اور مصیبتوں میں پہاڑوں اور جنگلوں میں۔ دھوپ اور برسات میں میرا ساتھ دیا ہے اگر تم ان کی عزت کروگے۔ ان کے کہنے کے مطابق کروگے اور ان سے بھائی کا سلوک کروگے تو وہ بھی تمہارے لئے جب چاہو گے جان دینے کو تیار رہیں گے میں سب سرداروں کے سامنے میواڑ کی حکومت تمہیں سونپتا ہوں۔ اس اُمید سے نہیں کہ اسے پاکر راج کے نشہ میں متوالے ہو کر اپنے بزرگ باپا کی شان کو بھول جاؤ بلکہ اس اُمید سے کہ تمہارے ہاتھوں اس کی شان اور زیادہ دمک اُٹھے گی۔ افسوس میں چتوڑ نہ لے سکا۔ اس کے چھٹکارے کا ذمہ تم ہی پر چھوڑتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ پرماتما تمہیں اس کی اجڑی ہوئی شان کو دوبالا کر کے اس پر سورج چھاپ کا جھنڈا پھہرانے کا حوصلہ اور طاقت عطا کریں۔ بس بیٹا! زیادہ کیا کہوں یہ میری آخری دُعا ہے

نہایت ناامیدی اور لاچاری سے دیکھنے گے۔ ان کی ایسی حالت دیکھ کر سرداروں کو دکھ ہو رہا تھا۔ سلو مبر کے راوت سے نہ رہا گیا۔ اور انہوں نے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ کی روح اتنا دکھ پا رہی ہے۔ یہ سُن کر مہارانا نے کروٹ بدلی اور آہستہ سے بولے۔ "راوت جی میرا دکھ جسمانی نہیں ہے بلکہ دلی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرے مرجانے کے بعد وطن کا کام رُک جائیگا۔ اگر آج آپ سب مل کر عہد کریں کہ جیتے جی مادر وطن کو دشمنوں کے ہاتھ نہ جانے دیں گے۔ تو میں آرام سے مرسکونگا۔ امر سنگھ سے اپنے وطن۔ خاندان اور شان کی حفاظت نہ ہو سکے گی۔ عزت کے لالچ میں پڑ کر وہ مادر وطن کو بھیڑیوں کے ہاتھ سونپ دیگا وہ عیاش ہے اس لئے مصیبت نہ اٹھا سکے گا۔ ان جھونپڑیوں کی جگہ یہ بڑے بڑے محل بنیں گے۔ ان میں طوائفوں کا ناچ ہوگا اور عیش و عشرت میں پھنس کر امر سنگھ میواڑ کی بری حالت کو بھول جائے گا۔ ہائے! جس کی آزادی کے لئے میں جنگلوں میں گھوما۔ پہاڑوں میں بھٹکا۔ بھوکا رہا۔ پیاسا رہا۔ دکھ سہا۔ لاکھوں کا خون بہایا۔ وہیں اب خوشی کی رنگ رلیاں منائی جاتی دکھائی دیں گی مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے کہ امر سنگھ سکھ کے لیے آزادی کے مقصد کو چھوڑ دیگا۔ تم لوگ اس کی فرمانبرداری کر اس کے پیرو بن کر میواڑ کے پاک خاندان میں داغ لگا دوگے۔" پرتاپ سنگھ کا فقرہ پورا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ سب سردار بول اُٹھے مہارانا کے پاک تخت کی قسم کھا کر ہم سب عہد کرتے ہیں کہ جب تک ہم میں سے ایک بھی زندہ رہیگا۔ اس دن تک ایک بھی مسلمان میواڑ کی زمین پہ پاؤں نہ رکھ سکیگا ہم امر سنگھ

اکیسواں باب

مہارانا پرتاپ کی رحلت

پرتاپ سنگھ چاہتے تھے کہ چتوڑ کو بھی مسلمانوں سے آزاد کرا لے۔ لیکن وہ وقت سے پہلے ہی بوڑھے ہو گئے اور وہ اس لائق نہ تھے کہ میدان جنگ میں اتر کر وطن کے لئے لڑاتے۔ طرح طرح کی مصیبتوں نے اُن کے جسم کے خون کو چوس لیا تھا۔ چتوڑ ابھی تک مغلوں کے ہی قبضے میں تھا۔ اس لئے پرتاپ چاونڈ کے پاس ایک جھونپڑی میں رہ کر اپنی موت کا انتظار کرنے لگے۔ رانا جی اپنے بیٹے امر سنگھ کے رہن سہن اور چال چلن سے بھی ناراض تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے بعد امر سنگھ دنیادی عیش و عشرت میں پھنس کر وطن کے کام کو ٹھکرا دیگا۔ اور ان کے اتنے برسوں کی کوشش خاک میں مل جائے گی۔ چتوڑ کے نہ لے سکنے کا دکھ تو تھا ہی۔ اس کے علاوہ امر سنگھ کا دکھ بھی پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس سے رانا دن بدن دُبلے پتلے ہو رہے تھے۔ میواڑ کے مستقبل کو تاریک دیکھ رانا کبھی کبھی نیند سے اُچک پڑتے تھے۔ لیکن چارہ ہی کیا تھا۔

ایک دن رانا کے سب سردار اُن کے پلنگ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ رانا نے ایک لمبی سانس لی۔ پھر آنسو بھری آنکھوں سے جھونپڑی کی ٹوٹی چھت کی طرف

اس اچانک حملہ سے سہم گئی۔ اور ادھر اُدھر بھاگنے لگی۔ بھیلوں نے پہاڑوں پر چڑھ کر
پتھر اور تیر برسانے شروع کئے۔ مغل فوج رانا کے ساتھیوں کا پہاڑوں میں پیچھا نہ کر سکے
بہتیری مغل فوج ماری گئی۔ پر پرتاپ کا مطلب پھر بھی پورا نہ ہوا۔ انہیں پھر پہاڑی غاروں
میں چھپنا پڑا۔ رانا کی سب اُمیدیں جاتی رہیں۔ نااُمید ہو کر اُنھوں نے جنم بھومی کو چھوڑ کر
چلے جانے کا فیصلہ کیا۔ اور کچھ بھیل سرداروں کو ساتھ لے کر اپنی ادر وطن کو آخری سلام کر
وداع ہوئے۔ اسی وقت ان کے وزیر بھاما شاہ وہاں آ پہونچے اور اپنی بیشمار دولت
رانا کے قدموں میں ڈالدی۔

روپیہ کی کمی کی وجہ سے رانا اتنے دنوں تک فوج اکٹھی نہیں کر سکتے تھے۔ آج کافی
دولت ملتے ہی پھر سے اپنے وطن کو آزاد کرانے میں جُٹ گئے۔ اس روپے کے سہارے
اُنھوں نے فوراً فوج اکٹھی کرلی اور مغل فوج پر ٹوٹ پڑے۔ پرتاپ نے میواڑ کو جنگل بنا دیا
جو سامنے آیا۔ اُسی کو تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ دیکھتے دیکھتے چتوڑ۔ مانڈل گڑھ وغیرہ دو ایک
مقام چھوڑ کر سارا میواڑ پھر پرتاپ کے قبضہ میں آگیا۔

اس طرح میواڑ کے بہت بڑے حصے کو مسلمانوں سے چھڑا کر رانا چتوڑ کو قبضہ میں
کرنے کی سوچنے لگے۔ ملک ہرا بھرا ہو گیا۔ اور لوگ آ آ کر ادوے پور میں بسنے لگے۔
اُسی وقت رانا نے اپنے بھائی بیٹوں کو جاگیریں دیں اور سب کے عہدے مقرر کئے
مصیبت کے وقت جن سرداروں نے پرتاپ کا ساتھ دیا تھا۔ اُن کو جاگیریں دیتے
وقت اُنھوں نے خاص خیال رکھا۔

(۲) ہے دیوان۔ میں اپنی مونچھوں پر تاؤ دوں یا اپنی تلوار سے اپنے ہی جسم کا خاتمہ کردوں ان دو باتوں میں سے ایک لکھ دیجئے۔

پرتھوی راج کے ان سورٹھوں والے خط کا ظاہرا تو یہی مطلب تھا کہ ٹھیک بات لیا ہے سو جان لی جائے۔ لیکن خفیہ مطلب یہ تھا کہ اگر اکبر کا کہنا سچا ہے اور خط دراصل میں رانا کا ہی لکھا ہوا ہے۔ تو انہیں اُن کے عہد اور راستے سے چوکنے سے روکیں۔ شاعر نے گھر کی بولی میں اپنے اندرونی خیالات کو اس خوبی سے دکھایا تھا کہ پڑھتے ہی پرتاپ کی آنکھیں کھل گئیں۔ ان کی رگ رگ میں سورٹھوں کے ایک ایک لفظ کا اثر پڑا۔ ان کا دل جوش سے بھر گیا۔ اور اسی وقت مندرجہ ذیل تین دوہے جواب میں لکھ بھیجے۔ جن کا مطلب یہ تھا

ترجمہ (۱) شری اک لنگ جی اس پرتاپ کے منہ سے تو اکبر کو ترک ہی کہلائیں گے اور سورج کا طلوع مشرق میں جہاں ہوتا ہے وہیں ہوتا رہے گا۔

(۲) ہے بہادر پرتھوی راج۔ جب تک پرتاپ کی تلوار مسلمانوں کے سر پر ہے تب تک بڑے مزے سے آپ اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے رہئے۔

(۳) (پرتاپ سنگھ) سر پر تلوار کی چوٹ سہے گا۔ کیونکہ اپنی برابری والے کی بڑائی زہر کی طرح بری لگتی ہے۔ ہے بیر پرتھوی راج اکبر کے ساتھ زبان کی لڑائی میں آپ اچھی طرح فتح مند ہوں۔

پرتھوی راج کو یہ خط لکھتے ہی پرتاپ نے رنگ رلیوں میں پڑی ہوئی بےخبر مغل فوج پر چھاپا مارا۔ مغل فوج جو کنبھل گڑھ کے چاروں طرف پڑی ہوئی تھی۔

اپنی ہی ہنسی کرتا ہے۔ میرا پکا بھروسہ ہے کہ میواڑ اور بھارت کی تو کیا ساری دنیا کی حکومت بھی پرتاپ کے پاؤں کے نیچے رکھدی جاوے تو وہ اسے ٹھکرا دیگا۔ آزادی کے مقابلہ میں پرتاپ کی نگاہ میں حکومت شاہی، شان اور عزت کی کوئی قدر اور بڑائی نہیں ہے۔ سمندر گہرائی، ہمالیہ اونچائی اور سورج گرمی کو بھلے ہی چھوڑ دے۔ لیکن پرتاپ اپنا جسم، دولت اور زندگی دے کر بھی اپنے عہد کو نہ چھوڑے گا۔ یہ خط پرتاپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہو سکتا۔ ضرور ہی اس میں کچھ فریب ہے۔ اگر حکم ہو تو میں اس کے سچ جھوٹ کی جانچ کروں۔ بادشاہ کے حکم سے بہادر شاعر پرتھوی راج نے مندرجہ ذیل دو سورٹھے پرتاپ کے پاس بھیجے۔

(۱)

پاتل جو پت ساہ بولے مکھ ہُوں تا ادین
رتنر پچھم دِشّ ماہند اُوگے کاسپ راو اُت

(۲)

پٹکوں موچھاں پان کہ پٹکوں نج تن کرد
دیجے لکھ دیوان ان دو محلی بات اک

ترجمہ (۱) پرتاپ سنگھ اگر اکبر کو اپنے منہ سے بادشاہ کہیں تو سورج مغرب میں طلوع ہو گے یعنی جس طرح سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ناممکن ہے اسی طرح پرتاپ کے منہ سے بھی اکبر کے لئے بادشاہ کا لفظ نکلنا ناممکن ہے۔

چھن جانے سے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے۔ پرتاپ کا سر جھک گیا۔ اپنے ساتھیوں رشتے داروں اور سرداروں کو مرتے دیکھ کر بھی پرتاپ کو اتنا دکھ نہیں ہوا تھا، جتنا اس بے خبر لڑکی کو روٹی کے لئے روتی ہوئی دیکھ کر ہوا۔ رانا بے صبر ہو اٹھے اور بولے "اگر اس طرح کی مصیبتیں دیکھ کر راج رسم کی حفاظت کرنی پڑے تو اس رسم پر ہی لعنت ہے سو بار لعنت ہے!!" انھوں نے اسی وقت ایک صلحنامہ لکھا اور اکبر کے پاس بھیج دیا۔

اکبر کے دربار میں وہ خط پہنچا۔ اکبر کی خوشی کی حد نہ رہی۔ اسی وقت اپنے بڑے بڑے افسروں کو بلا کر حکم دیا کہ سارے شہر میں فتح کا جشن منایا جاوے۔ ہر ایک محل کے اوپر ریشمی جھنڈے پھرائے جائیں۔ شاہی سڑکوں پر گانا بجانا ہو۔ مندروں اور مسجدوں میں دعائیں کی جاویں اور سارے شہر میں دیوالی منائی جائے۔ شاہ کے فرمان سے دہلی میں سب جگہ بڑی دھوم دھام سے خوشیاں منائی جانے لگیں۔ پھر بادشاہ نے بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ کے چھوٹے بھائی پرتھوی راج کو وہ خط دیا۔ اور غرور سے بولے۔ "یہ لو اپنے پرتاپ کا صلحنامہ!" پرتھوی راج بڑے مذہبی اور بہادر آدمی تھے۔ پرتاپ کی بڑائی کو وہ سمجھتے تھے۔ پرتاپ کی بہادری پر انہیں غرور تھا۔ پرتھوی راج نے خط کو بڑے دھیان سے دیکھا اور کہا۔ "جہاں پناہ مجھے تو اسے دیکھ کر بھی یقین نہیں ہوتا کہ یہ خط ہمارے رانا کا لکھا ہوا ہو۔ آگ ٹھنڈی، گلاب بدصورت اور راگ کان کو برا لگ سکتا ہے۔ لیکن جان کے رہتے ہوئے پرتاپ آپ کی ماتحتی منظور کر سکتا ہے۔ یہ کہنا۔ ایسا سوچنا اور اس پر یقین لانا پرتاپ کی نہیں

ہونا تو دور رہا، پرتاپ ماتحت لفظ بھی زبان پر نہ لائے۔

آزادی کے لئے پرتاپ نے طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کیں اور آئندہ بھی برداشت کرنے کو تیار تھے۔ لیکن جب وہ اپنے ساتھیوں کے ترک اور بھولے بھالے چہروں کی طرف دیکھتے تو اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ساتھیوں کے پاس نہ تو خوراک تھی نہ پوشاک تھی اور نہ سر ٹیکنے کے لئے کوئی محفوظ مقام ہی تھا۔ بھاگتے بھاگتے جس دن جہاں رات ہو جاتی تھی وہیں بھوکے پیاسے پڑے رہتے تھے۔ بچاروں کی جان ہمیشہ جوکھم میں رہتی تھی۔ پرتاپ اپنے ہمراہیوں کے ترک کو سمجھتے تھے۔ ساتھیوں کا یہ ترک اُن کے لئے شان و عزت کی بات تھی۔ لیکن پرتاپ کے لئے یہ دُکھ کی وجہ تھی دوسرے دکھوں کے ساتھ ایک دُکھ ان کا بھی پیچھے لگا ہوا تھا۔ اور اسے بھی وہ برداشت کرتے ہی تھے۔ لیکن دُکھ برداشت کرنے کی بھی حد ہوتی ہے۔ اس کا بھی خاتمہ ہوتا ہے وطن کا دُکھ قبیلے کا دُکھ۔ جدھر دیکھو ادھر دُکھ ہی دُکھ کے بادل اُمڈتے دکھائی دیتے تھے چوٹ پر چوٹ۔ وار پر وار ہونے سے رانا کمزور تو پہلے ہی ہو گئے تھے۔ پھر ایک دن ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ان کا رہا سہا حوصلہ بھی جاتا رہا۔

کہتے ہیں ایک دن جب رانا گھاس کی سیج پر لیٹے ہوئے اپنے ملک کے مستقبل اور اپنی بدقسمتی پر سوچ رہے تھے۔ یکایک اپنی بیٹی کا چلانا سن کر وہ اسی طرف دوڑے روتی ہوئی لڑکی کو جس حالت میں اُنھوں نے دیکھا اُس سے اُن کا دل پھٹ گیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بن بلاؤ لڑکی کے ہاتھ سے روٹی لے کر بھاگ گیا ہے اور روتی

دوسرے کو گلے سے لگایا۔ ایک نے دوسرے کے آنسو پونچھے پھر الگ الگ راستہ
پر چل دیئے۔ نہ جانے پھر کب ملنے کے لئے!!!

بیسواں باب

پرتھوی راج کا خط

ہلدی گھاٹی کے میدانِ جنگ کو خون سے سرخ کر دینے پر بھی جب اکبر کا مطلب
پورا نہ ہوا، تب سر پر چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح جھنجھلا کر اس نے پرتاپ
کی جائے رہائش کنبھل گڑھ کو محصور کر چاروں طرف سے ناکہ بندی کرنے کا حکم دیا۔
رسد کی آمد و رفت کے راستے بند ہوتے دیکھ پرتاپ کنبھل گڑھ چھوڑ چلے گئے اور
اور جنگلوں میں بھٹکنے لگے لیکن مایوس وہ پھر بھی نہ ہوئے۔ ہوتے ہی کیوں بھلا؟ انھوں نے
تو عہد کر لیا تھا کہ جب تک جان رہتے۔ جسم میں لہو رہتے۔ اور ہاتھ میں تلوار رہتے آزادی کو نہ
چھوڑیں گے۔ جنگل کے خاردار اور خونخوار جانوروں سے بھرے ہوئے راستوں میں
گھومتے ہوئے پرتاپ کی حالت اس وقت نہایت ہی قابلِ رحم تھی۔ وہ چاہتے تو
اکبر کی اطاعت منظور کر کے بھی اونچے اونچے عہدے حاصل کر لیتے اور آرام سے دن
کاٹتے۔ اکبر ان کے منہ کی طرف دیکھا کرتا تھا۔ صرف منہ کھولنے کی دیر تھی لیکن ان کی حمیت

اپنی جدائی کی اطلاع دیتا ہوا معافی مانگ رہا ہو۔ پرتاپ اپنے پیارے گھوڑے کی حالت زیادہ دیر نہ دیکھ سکے۔ انہوں نے اس کے سر کو اپنی گود میں لے لیا۔ اور بار بار منہ چومنے لگے۔ چیتک تھوڑی دیر تک کان ہلاتا اور پاؤں پٹکتا رہا۔ پھر ایک دفعہ سخت درد کی وجہ سے چیخ مار کر اس دنیا سے چل بسا۔

چیتک کے مرتے ہی رانا کے صبر کا پل ٹوٹ گیا۔ وہ چپ چاپ بیٹھا منہ کئے۔ آنسو بہانے لگے۔ جو رانا پہاڑ کی طرح مستقل اور سمندر کی طرح گہرے تھے آج بچوں کی طرح بلکنے لگے۔ بھائی کی یہ حالت دیکھ شکتی کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ ان کی زبان رک گئی اور پرتاپ کے ٹپاٹپ گرتے ہوئے آنسوؤں کی طرف دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر تک کوئی کچھ نہ بولا۔ پھر شکتی سنگھ نے کہا۔ بھیا آپ اتنے گھبرا کیوں گئے ہیں۔ چیتک کی زندگی تو پوری ہو گئی ہے۔ جانور ہو کر جو کام چیتک نے کیا ہے وہ انسان سے بھی نہ ہو سکے گا۔ اٹھو اور اٹھ کر اپنا کام سنبھالو۔ تم وطن کی امید ہو۔ سارا وطن تمہاری طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا ہے تمہاری جیت سے جیت ہے اور تمہاری ہار سے ہار ہے بھائی تم تو بڑی سے بڑی مصیبتوں سے بھی نہ گھبرائے تھے۔ بڑے بڑے بہادروں کو دیکھ کر بھی تم مقابلہ کرتے رہتے تھے۔ پھر کیوں آج آنسو بہا کر حوصلہ ہار رہے ہو۔ میرے گھوڑے پر چڑھ کر کمبل میر کی طرف نکل جاؤ اور زخموں پر پٹیاں باندھ کر کچھ آرام کرو۔

شام کا وقت تھا۔ رات کی آہستہ آہستہ چال سے بڑھتا ہوا اندھیرا دن کی ابھی روشنی کو بھی نگل رہا تھا۔ دیر ہوتے دیکھ دونوں بھائی اٹھ کھڑے ہوئے ایک نے

اسی بات کی آزمایش کے لئے آپ سے لڑا کر میں ایک بے قصور پر دہت کے قتل کا باعث ہوا تھا۔ لیکن اس جنگ میں آج میں نے دیکھ لیا کہ آپ شریف اور میں رذیل ہوں۔ آپ بہادر اور میں بزدل ہوں۔ میں ملک۔ بھائی۔ قوم اور خود کے لیے بھی نمک حرام ہوں۔ آج میں تم سے نہ ٹل سکا۔ تمہارا پلڑا زمین پر پڑا ہے۔ جگنو اور سورج میں۔ گیدڑ اور شیر میں۔ زہر اور آبِ حیات میں جتنا فرق ہے۔ اس سے بھی زیادہ شکتی اور پرتاپ میں ہے۔ آپ راجپوت خاندان کے چراغ ہیں۔ اور ملک کو آپ پر فخر ہے۔ معاف کیجئے! معاف کیجئے!! معاف کیجئے!!!

بھائی کے خیالات میں اتنا فرق دیکھ کر رانا کا دل بھی محبت سے بھر آیا۔ گھوڑے سے کود کر انھوں نے بھائی کو چھاتی سے لگا لیا۔ اس طرح کئی برسوں سے بچھڑے ہوئے دو بھائیوں سے دو دلوں کا ملنا ہوا۔

اِدھر رانا نے رکاب سے پاؤں نکالا ہی تھا کہ چیتک گر پڑا اور چھٹ پٹانے لگا دونوں بھائی دوڑ کر پاس ہی کے نالے میں اپنے دوپٹے بھگو کر پانی لائے۔ اور چیتک کے منہ میں ٹپکانے لگے۔ ایک بھائی دوپٹے سے ہوا کر رہا تھا۔ دوسرا ایک ہاتھ سے منہ میں پانی ٹپکاتا ہوا دوسرا ہاتھ محبت سے اس کے منہ پر پھیر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد چیتک نے آنکھیں کھولیں اس کا جسم رہ رہ کر کانپ رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر زمین پر گر رہے تھے اور وہ آنسوؤں بھری نگاہوں سے بیچ بیچ میں کان ہلا کر پرتاپ کی طرف دیکھ رہا تھا گویا کہ طاقت گفتار نہ ہونے سے آنسوؤں کے ذریعہ

میرا ندہ رہنا ملک کے لئے فائدہ مند ہوگا۔ چیتک ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔ لیکن مہارانا کا اس طرف دھیان بھی نہ تھا کہ وہ کس حالت میں جا رہے ہیں اور گھوڑا انہیں کہاں لے جا رہا ہے۔ اتنے میں پیچھے سے گھوڑوں کے سموں کی آہٹ سنائی دی۔ مہارانا نے جو پیچھے پھر کر دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو سوار بڑی تیزی سے گھوڑا بھگائے چلے آ رہے ہیں۔ اور تیر اان کے پیچھے ہے پرتاپ نے بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ مالک کا اشارہ سمجھ کر چیتک ایک دفعہ پھر ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ راستہ میں ایک پہاڑی نالا پڑا جسے چیتک تو آسانی سے پھاند گیا لیکن پیچھے آنے والے دشمن نہ کود سکے اس لئے وہیں رک کر وہ اپنی لاچاری پر پچھتانے لگے۔ رانا پھر بھاگنے لگے۔ نالے سے زیادہ دور نہیں گئے ہونگے کہ اتنے میں کسی نے میواڑی لہجہ میں کہا: "او نیلا گھوڑا را اسوار" سنکر مہارانا وہیں رک گئے۔ زخمی چیتک بھی آگے آگے نہ بڑھ سکا۔ مہارانا نے سوچا کہ اب آگے جانا فضول ہے یا تو مریں گے یا دشمن پر آگے نہ بڑھیں گے۔ یہ سوچ کر انھوں نے تلوار مضبوطی سے پکڑ لی اور دشمن کا سامنا کرنے کو تیار ہو گئے۔ لیکن جب سوار پاس آ کر رکا تو اُسے دیکھ کر رانا کی حیرانگی کی حد نہ رہی۔ رانا نے دیکھا کہ وہ تو ان کا بھائی شکتی ہے۔

شکتی سنگھ نے گھوڑے سے کودتے ہی پرتاپ کے پاؤں پکڑ لئے اور بولے بھائی معاف کرو۔ بھائی پرتاپ ایک دفعہ منہ سے کہو کہ شکتی ہم نے تمہارا بھاری قصور معاف کیا۔ بھائی ایک دن میں نے سوچا تھا کہ میں آپ سے بہت ہی اچھا ہوں

حملہ کرنے لگے. پانچ سات مسلمانوں نے مل کر جھنڈے والے کو بات کی بات میں کاٹ کر دھیں سلادیا۔ اور کیسریا جھنڈا جو اب خون سے سرخ ہو گیا تھا. دھول میں لوٹنے لگا کسی راجپوت نے آکر پھر اسے اٹھایا. لیکن وہ پھر گرا۔ پھر اٹھا۔ اور پھر گرا۔ اس طرح کئی دفعہ خاک چاٹ کر وہ جھنڈا پھر اٹھا اور آخر میں زخمی. مرے ہوئے اور کراہتے ہوئے راجپوت بہادروں کے نیچے دب کر دھیں رہ گیا۔ اسی کے پاس اپنے مالک کے وفادار مان سنگھ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ خون اور خاک سے بھرا ہوا تلوار اور بھالوں کی بے شمار چوٹوں سے چھن بھن اور بکھرا ہوا۔ ہاتھی گھوڑوں کے پاؤں سے ٹھکرایا ہوا اور جھنڈے کے کپڑے سے لپٹا ہوا وہ جسم. مان سنگھ کی لاثانی قربانی حب الوطنی اور مالک کی وفاداری کا اعلان ڈنکے کی چوٹ سے بھی زیادہ تیز اور بھاری آواز سے کر رہا تھا۔

ادھر جب یہ کٹا کٹی ہو رہی تھی۔ موقعہ دیکھ کر پرتاپ وہاں سے کھسک گئے ان کے سات زخم لگے تھے۔ اسی وجہ سے ان کا جسم اور کپڑے خون میں رنگ گئے تھے چیتک کا جسم بھی خون سے لت پت ہو رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے مالک کو لے کر سرپٹ بھاگا جا رہا تھا۔ رانا دل ہی دل میں سوچ رہے تھے۔ ہائے! میں کیوں نہیں آج اپنے وطن کے کام آیا۔ اس سے زیادہ اچھا دن مرنے کا پھر کب ملے گا؟ لمحہ بھر میں میواڑ کے مستقبل کا خاکہ ان کی آنکھوں کے سامنے تصویر کی طرح پھر گیا۔ پھر سوچا نہیں امر سنگھ کسی کام کا نہیں ہے اس سے ملک کی حفاظت نہ ہو سکیگی۔ کچھ دنوں تک

جوش دلانے سے مغل فوج پھر آگے بڑھی اور چاروں طرف سے پرتاپ کو گھیر لیا۔ غصہ میں بھر کر پرتاپ بھی ادھر سے اُدھر۔ اُدھر سے اِدھر بجلی کی طرح گھوم گھوم کر مغل فوج کا خاتمہ کرنے لگے۔ وہ اتنی جلدی سے وار کرتے اور پینترا بدلتے تھے کہ دشمنوں سے گھر جانے پر بھی ایک جگہ دکھائی نہیں دیتے تھے۔ لیکن ایک مشکل یہ تھی کہ رانا کے سر پر راج کے نشان لگے ہوئے تھے۔ اس سے پہچان کر دشمن انہیں پر زیادہ حملے کرتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ پہلے بھی وہ تین دفعہ مشکل میں پڑ چکے تھے۔ رانا بڑی بہادری کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ لیکن پچاس کے سامنے ایک آدمی کیا کر سکتا تھا۔ آخر رانا تھک گئے اور ان میں پہلے کی سی پھرتی نہ رہی وہ زخمی ہونے لگے۔ گھوڑے کے جسم سے بھی خون بہنے لگا اور قریب تھا کہ ان کا وہیں خاتمہ ہو جاتا کہ اتنے میں ساوڑی کے جھالا مان سنگھ نے بڑے حوصلے کا کام کیا۔ پرتاپ کے سر سے راج کے نشانوں کو بڑی صفائی سے ہٹا اور اپنے سر پر پہن کر مان سنگھ دوسری طرف بھاگے ان کی اس عقلمندی کو سمجھ کر جھنڈے والا بھی پرتاپ کو چھوڑ انہیں کی طرف بھاگا۔

جھالا مان سنگھ کی محنت فضول نہ گئی۔ ہوا وہی جس کی انہیں اُمید تھی۔ مان سنگھ کو ہی پرتاپ سمجھ کر مغلوں نے ان کا پیچھا کیا۔ آگے مان سنگھ پیچھے کیسریا جھنڈا اور اس کے پیچھے خون کے پیاسے مسلمان تھے۔ پرتاپ سے تھوڑی دُور جا کر مان سنگھ رُک گئے۔ وہیں لڑائی ہونے لگی۔ زخمی شیر کی طرح مان سنگھ مغلوں پر

دوسری طرف۔ پھر پرتاپ کی اس پانچ ہزار فوج میں اس وقت زیادہ تعداد جنگلی بھیلوں کی تھی جو میدان میں لڑنے سے جھجکتے تھے وہ زیادہ سے زیادہ پہاڑ و ں کے دروں میں سے درختوں کی آڑ سے دشمنوں پر تیر چلا سکتے تھے۔ یا پتھر پھینک کر ان کا سر توڑ سکتے تھے۔ فوجی تعلیم کیا چیز ہے وہ اسے سمجھتے ہی نہ تھے۔ لیکن وہ پھر بھی خوب لڑے ایسے لڑے کہ بات کی بات میں مغل فوج کا نظام ٹوٹ گیا اور وہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگی۔

دشمنوں کے پاؤں اکھڑتے دیکھ پرتاپ کا حوصلہ سو گنا ہو گیا۔ اب نڈر ہو کر وہ میدان جنگ میں شیر کی طرح چکر لگانے لگے۔ ان کی خواہش یہ ہی تھی کہ اگر دھیشن مان سنگھ کہیں مل جائے تو اپنی تلوار کے جوہر تبا کر اسے وطن کے ساتھ غدر کرنے کا مزا چکھا دوں۔ لیکن مان سنگھ کا کہیں پتہ بھی نہ تھا۔ بڑی دیر کے بعد مان سنگھ ایک ہاتھی پر بیٹھے دکھائی دیئے۔ انہیں دیکھتے ہی رانا کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ پل بھر میں وہ اس کے پاس پہنچ گئے۔ اور بولے "مان سنگھ تم سے جتنی ہو سکے بہادری دکھالو۔ پرتاپ آپہنچا ہے"۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنا بھالا اٹھایا اور چیتک کو ہاتھی کے ماتھے تک کودا کر زور سے حملہ کیا۔ لیکن مان سنگھ ہودے میں جھک گئے تھے۔ اس لئے وہ تو بچ گئے۔ لیکن مہاوت مارا گیا۔ سو اسے بھاگنے کے اب کوئی چارہ نہ تھا۔ مان سنگھ بھاگے۔ ان کے ساتھ ان کی فوج بھی بھاگی۔

مان سنگھ کو مرا جان کر رانا لوٹ گئے۔ اس وقت آصف خاں وغیرہ کے

سخت اور ہولناک جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں بہادری دکھا کر بہادر پرتاپ نے
اپنی شہرت میں چار چاند لگا دیئے۔ اسی لڑائی کی وجہ ہندوستان کے حب الوطنوں
میں مہارانا کا نام سب سے اوپر لکھا گیا ہے۔ جنگ کا وہ مقام جہاں سے پرتاپ
کی چمک چاروں طرف پھوٹ نکلی تھی۔ تواریخ میں ہلدی گھاٹی کے نام سے مشہور ہے

اُنیسواں باب

ہلدی گھاٹی کی لڑائی

۱۵۷۶ء کے جون کے مہینہ کی سخت گرمی میں ہلدی گھاٹی کے میدان جنگ پر
راجپوتوں کی تلواریں کھنکھنا اٹھیں۔ راجپوت فوج کے سپہ سالار مہارانا پرتاپ
اور مغل فوج کے مان سنگھ تھے۔ مان سنگھ نے اپنی لڑائی کا نقشہ بڑی چترائی سے
بنایا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ایک بھی راجپوت بچ کر گھر نہ جائے جس سے مجبور ہو کر
اکبر کی ماتحتی پرتاپ جلدی ہی منظور کر لیں۔ لیکن بہادر پرتاپ اس کی ان باتوں سے
ذرا بھی متفکر نہ ہوئے۔ بہت زور اور تیزی سے لڑتے ہوئے ساتھیوں سمیت مغل
فوج کو ... تلواروں کے وار سے مغل فوج کو کاٹنے بھگانے
فوج ایک طرف تھی اور صرف پانچ ہزار

کی طرح چپ چاپ سنتے رہے۔ جب مان سنگھ بول چکے تو انھوں نے کہا مہاراج مان سنگھ بہت اچھی بات ہے۔ ایسا ہی سہی۔ جب میں خود اکبر کا دشمن ہوں تب ان کے ایک سپہ سالار کی دشمنی سے کیوں ڈروں؟ آج آپ میرے مہمان ہیں۔ آپ کی عزت کرنا میرا فرض ہے۔ نہیں تو ہمیں پتہ لگ جاتا۔ کہ اکبر کا رشتے دار مان سنگھ بڑا ہے یا غریب نادار پرتاپ۔ آپ جب بھی چاہیں گے۔ تب ہی میدان جنگ میں پرتاپ کو تیار پا دیں گے۔ اسی وقت رانا کا ایک سردار بول اٹھا "اپنے پھوپا اکبر کو بھی لیتے آنا۔ بھول نہ رہے" اس آخری طعنے نے آگ میں گھی کا کام دیا۔ کئی دنوں تک اس کی گونج مان سنگھ کے کانوں میں گونجتی اور درد دیتی رہی۔

مان سنگھ کے وہاں سے چلے جانے کے بعد جس مقام پر اُن کے لئے کھانا تیار کیا گیا تھا۔ پرتاپ نے اسے پاک کرنے کا حکم دیا۔ سونے چاندی کے برتن اور تھال اودے ساگر میں پھینک دیئے گئے۔ مان سنگھ کے بیٹھنے سے جو زمین ناپاک ہو گئی تھی وہ گنگا جل اور گئو موتر چھڑک کر پاک کی گئی۔ پھر سب موجود اشخاص نے غسل کر کپڑے اور یگیوپویت بدلے اور اُس دن سب کے سب بھوکے رہے۔

وہاں سے مان سنگھ سیدھے دہلی پہنچے۔ شہنشاہ اکبر سے سب باتیں تفصیل وار بیان کیں۔ نمک مرچ لگانے سے بھی بعض نہ آیا۔ اپنے سپہ سالار کی بے عزتی ہوئی سُن۔ اکبر کے غصہ کی آگ تیز ہو اٹھی اور مہارانا کا گھمنڈ توڑنے کی خواہش سے ایک بہت بڑی فوج مان سنگھ کی کمان میں اس نے دہلی سے میواڑ کی طرف بھیجی۔ ایک

بوجن کرنا نہیں چاہتے۔ خیر یہ اُن کی مرضی ہے اس میں میرا کوئی نقصان نہیں۔ ان سے یہ کہہ دینا کہ اتنے دنوں تک میں نے رانا کے خلاف کوئی ہتھیار نہیں اٹھایا۔ نہ کسی دوسرے ہی کو اٹھانے دیا۔ لیکن آج سے میں خود اُن کا دشمن ہو گیا۔ اگر میں ان کا غرور دور نہ کردوں۔ اس بے عزتی کا ان سے بدلہ نہ لے لوں تو میرا نام مان سنگھ نہیں۔

اس کے جواب میں رانا نے کہلا بھیجا کہ جس کے باپ نے مسلمانوں کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کی۔ جو خود غیر مذہب والوں اور ہندوؤں کی شان اور نام کو مٹانے والوں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا ہے۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کی کون کہے۔ اس سے چھوا ہوا پانی پینے میں بھی پرتاپ اپنی ہتک سمجھتا ہے۔ اب مان سنگھ کے غصہ کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ وہ تلملا اٹھے۔ ان کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا اور دانت پیستے ہوئے اسی وقت گھوڑے پر چڑھ کر وہاں سے چلنے کی تیاری کرنے لگے۔ اتنے ہی میں پرتاپ بھی وہاں آ پہنچا۔ مہارانا کا جسم دُبلا ہو رہا تھا۔ کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ کئی قسم کی مصیبتوں اور تفکرات نے ان کے خون کو خشک کر دیا تھا لیکن اس حالت میں بھی ان کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ پرتاپ ہندوؤں کے سورج اور راجاؤں کے راجہ ہیں۔ پرتاپ کو دیکھ کر مان سنگھ کا خون کھولنے لگا۔ وہ اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے اور گھمنڈ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر بولے "پرتاپ! اگر میرا نام مان ہے تو میں تمہارے مان کو برباد کر ہی کے آرام کروں گا۔ رانا اپنے کہے ہوئے الفاظ پر توبہ کر معافی مانگو یا کئے ہوئے فعلوں کا نتیجہ بھوگنے کے لئے تیار رہو۔" مہارانا ایک گہرے سمندر

کی طرح چپ چاپ سنتے رہے۔ جب مان سنگھ بول چکے تو انھوں نے کہا مہاراج مان سنگھ بہت اچھی بات ہے۔ ایسا ہی سہی۔ جب میں خود اکبر کا دشمن ہوں تب ان کے ایک سپہ سالار کی دشمنی سے کیوں ڈروں؟ آج آپ میرے مہمان ہیں۔ آپ کی عزت کرنا میرا فرض ہے۔ نہیں تو یہیں پتہ لگ جاتا۔ کہ اکبر کا رشتے دار مان سنگھ بڑا ہے یا غریب نادار پرتاپ۔ آپ جب بھی چاہیں گے۔ تب ہی میدان جنگ میں پرتاپ کو تیار پا دیں گے۔ اسی وقت رانا کا ایک سردار بول اُٹھا "اپنے پھوپا اکبر کو بھی لیتے آنا۔ بھول نہ رہے" اس آخری طعنے نے آگ میں گھی کا کام دیا۔ کئی دنوں تک اس کی گونج مان سنگھ کے کانوں میں گونجتی اور درد دیتی رہی۔

مان سنگھ کے وہاں سے چلے جانے کے بعد جس مقام پر اُن کے لئے کھانا تیار کیا گیا تھا۔ پرتاپ نے اسے پاک کرنے کا حکم دیا۔ سونے چاندی کے برتن اور تھال ادے ساگر میں پھینک دیے گئے۔ مان سنگھ کے بیٹھنے سے جو زمین ناپاک ہو گئی تھی وہ گنگا جل اور گئو موتر چھڑک کر پاک کی گئی۔ پھر سب موجود اشخاص نے غسل کر کپڑے اور یگیوپویت بدلے اور اُس دن سب کے سب بھوکے رہے۔

وہاں سے مان سنگھ سیدھے دہلی پہنچے۔ شہنشاہ اکبر سے سب باتیں تفصیل وار بیان کیں۔ نمک مرچ لگانے سے بھی بعض نہ آیا۔ اپنے سپہ سالار کی بے عزتی ہوئی سن۔ اکبر کے غصہ کی آگ تیز ہو اُٹھی اور مہارانا کا گھمنڈ توڑنے کی خواہش سے ایک بہت بڑی فوج مان سنگھ کی کمان میں اس نے دہلی سے میواڑ کی طرف بھیجی۔ ایک

بھوجن کرنا نہیں چاہتے۔ خیر یہ اُن کی مرضی ہے اس میں میرا کوئی نقصان نہیں۔ ان سے یہ کہہ دینا کہ اتنے دنوں تک میں نے رانا کے خلاف کوئی ہتھیار نہیں اُٹھایا۔ نہ کسی دوسرے ہی کو اُٹھانے دیا۔ لیکن آج سے میں خود اُن کا دشمن ہوگیا۔ اگر میں ان کا غرور دور نہ کردوں۔ اس بے عزتی کا ان سے بدلہ نہ لے لوں تو میرا نام مان سنگھ نہیں۔

اس کے جواب میں رانا نے کہلا بھیجا کہ جس کے باپ نے مسلمانوں کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کی۔ جو خود غیر مذہب والوں اور ہندوؤں کی شان اور نام کو مٹانے والوں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا ہے۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کی کون کہے۔ اس سے چھوا ہوا پانی پینے میں بھی پرتاپ اپنی ہتک سمجھتا ہے۔ اب مان سنگھ کے غصہ کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ وہ تلملا اُٹھے۔ ان کا چہرہ غصہ سے لال ہوگیا اور دانت پیستے ہوئے اسی وقت گھوڑے پر چڑھ کر وہاں سے چلنے کی تیاری کرنے لگے۔ اتنے ہی میں پرتاپ بھی وہاں آ پہنچا۔ ہمارا رانا کا جسم دُبلا ہو رہا تھا۔ کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ کئی قسم کی مصیبتوں اور تفکرات نے ان کے خون کو خشک کر دیا تھا لیکن اس حالت میں بھی ان کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ پرتاپ ہندوؤں کے سورج اور راجاؤں کے راجہ ہیں پرتاپ کو دیکھ کر مان سنگھ کا خون کھولنے لگا وہ اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے اور گھمنڈ کے ساتھ ہاتھ اُٹھا کر بولے "پرتاپ! اگر میرا نام مان ہے تو میں تمہارے مان کو برباد کر ہی کے آرام کروں گا رانا اپنے کہے ہوئے الفاظ پر توبہ کر معافی مانگو یا کئے ہوئے خیالوں کا نتیجہ بھوگنے کے لئے تیار رہو" ہمارا رانا ایک گہرے سمندر

ہلا دینے والے طریقہ سے کیا ہے۔ لکھا ہے

رانا سوں بھوجن سمے۔ کہی مان یہ بان ہم کیوں جے ویں آپ ہو جلیوت اٹکن آن
کنور آپ آردگئے۔ رانا بھاکھو ہیری موہی گرانی سی کچھ۔ ابھے جبی ہو پھیری
کھی گرانی کی کنور۔ بُنئی گرانی جو ہی اٹک نہیں کر دیونگو تورن چورن توہی
دیا رٹھیل کانسو کنور۔ اُٹھے سمت نج ساتھ چُلو آن کمری ہوں کہو۔ پوچھی لے دمالن ہاتھ

مطلب۔ کھانے کے وقت مان سنگھ نے کہلایا کہ ہم اکیلے کھانا کیوں کھائیں آپ کیوں نہیں آتے۔ اس پر رانا نے سوچ کر جواب دیا کہ میری خواہش اس وقت کھانے کی نہیں ہے کچھ نفرت سی ہو گئی ہے۔ اس پر مان سنگھ نے کہا کہ اس نفرت کا چورن میں آپ کو دونگا۔ یہ کہہ کر مان سنگھ نے کھانے کا تھال ٹھکرا دیا۔ اور اپنے ہمراہیوں سمیت اُٹھ کھڑے ہوئے اور رومال سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولے کہ چُلو (یعنی ہاتھ دھونا) پھر آکر کریں گے۔

مان سنگھ رانا کی غیر حاضری کی وجہ تاڑ گئے وہ سمجھ گئے کہ میرے والد بھگوانداس نے اپنی بہن کی شادی اکبر کے ساتھ کی ہے اس لئے میرے ساتھ بیٹھ کر پرتاپ کھانا کھانا نہیں چاہتے لیکن ان کو اکبر کا زور تھا۔ اپنی طاقت کا غرور تھا وہ بھی ایسے کہاں تھے کہ اس بے عزتی کو چپ چاپ برداشت کر کے چلے جاتے۔ اس لئے ان کے غصہ کی حد نہ رہی وہ پروسی ہوئی تھالی سے اُٹھ کھڑے اور بولے "اچھا امر سنگھ میں سمجھ گیا۔ تم جا کر ابھی رانا جی سے کہہ دو کہ مان سنگھ نے ان کے بیمار ہونے کی وجہ جان لی ہے۔ وہ میرے ساتھ

شان و عزت کو ٹھکرانے والے مان سنگھ کے اس عروج کو وہ زوال ہی سمجھتے تھے۔ مہارانا کہا کرتے تھے کہ مان سنگھ نے بڑائی حاصل کرنے کے لئے اپنی طاقت کا برا استعمال کیا ہے اور اپنے اخلاق کو گرا دیا ہے۔ پرتاپ کو اپنے آزاد خیالات کی وجہ سے وطن چھوڑنا پڑا۔ جنگل کے پتھریلے راستوں اور دشوار گھاٹیوں میں بھٹکنا پڑا۔ کئی دنوں تک لگاتار بھوکے رہنا پڑا۔ اپنے رشتے داروں سے الگ رہنا پڑا۔ اور ہزاروں کا خون بہانا پڑا۔ لیکن اپنا عہد اپنا دھرم اور مذہب کو انھوں نے پھر بھی نہ چھوڑا۔

گجرات میں بغاوت دباکر لوٹتے وقت مان سنگھ ایک دن ڈونگرپور ہوتے ہوئے اودے پور آئے۔ پرتاپ اس وقت کنبھل گڑھ میں رہتے تھے۔ مان سنگھ نے رانا سے کہلا بھیجا کہ اگر حکم ہو تو میں آپ سے ملتا جاؤں۔ رانا نے ان کی درخواست کو منظور کر لیا۔ اور ان سے ملنے کے لئے اودے ساگر آئے۔ جب اپنے ساتھیوں سمیت مان سنگھ وہاں پہنچے تو رانا کے بیٹے امر سنگھ اور سرداروں نے ان کا بڑا استقبال کیا۔ کھانے کے وقت کنور امر سنگھ نے کہا۔ راناجی کے سر میں درد ہے اس لئے ان کی طرف سے میں آپ کی مہانی کروں گا۔ آج راناجی کھانا بھی نہیں کھائیں گے جب آپ بھوجن کر چکیں گے تو آکر وہ آپ سے ملاقات کریں گے۔

امر سنگھ کے جواب کو سن کر مان سنگھ کی کیا حالت ہوئی غصے میں آکر انھوں نے کچھ کھنے کی پرواہ نہ کر پرتاپ نے کیا کہلایا۔ اس کا بیان رام کوی جے سنگھ چرتر، میں بڑے ہی انوکھے اور دل

نہیں رکھ سکتا۔ اسی وقت تم میری سلطنت سے نکل جاؤ۔
پرتاپ کی اس لتاڑ کو سُن کر شکتی سنگھ شرم کے مارے پانی پانی ہو گئے۔ انہیں غصہ بھی آیا۔ وہ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوئے اور چپ چاپ وہاں سے نکل کر دہلی چلے گئے۔ اسی دن سے پرتاپ نے ایک بھائی کھو دیا۔ اور مغل شہنشاہ اکبر کو ایک ساتھی مل گیا۔

اٹھارھواں باب
پرتاپ اور مان سنگھ

راجپوتانہ کے کئی راجہ اپنی بہن بیٹیوں کی شادی اکبر کے ساتھ کر اس کے عزیز رشتے دار بن گئے تھے۔ ان میں سے آمیر کے راجہ بھگوانداس کے بیٹے مان سنگھ بھی ایک تھے۔ راجپوتوں کا اپنی لڑکیاں مسلمانوں کے ہاتھ سونپ اونچے اونچے عہدے حاصل کرنا مہارانا پرتاپ کو بہت کھٹکتا تھا۔ اس لئے وہ چھتری خاندان کے کلنک مان سنگھ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مان سنگھ ایک چتر حوصلہ مند اور ماہر جنگ آدمی تھے۔ پرتاپ بھی کبھی کبھی ان کے مذکورہ بالا اوصاف کی تعریف کیا کرتے تھے لیکن دنیاوی عیش و عشرت اور حکومت کی خواہش سے اپنے خاندان کی

زیر ہو۔" یہ کہہ کر اس نے وہ کٹار اپنے کلیجے میں بھونک دی اور وہیں گر پڑا اور شہزادوں
پر قربانی دیدی۔ اس کے خون سے زمین لال ہو گئی۔ اور قریب تھا کہ گھوڑے کے
پاؤں سے اس کا سر کچلا جاتا، اتنے میں دونوں بھائی اپنے اپنے گھوڑوں کو روک
کر نیچے کود پڑے۔

یہ قربانی ایسی نہ تھی کہ اس کا اثر شہزادوں پر نہ ہوتا۔ اس دردناک نظارے کو دیکھ کر
دونوں کے دل دھڑکنے لگے اور دونوں ہی جلدی جلدی پروہت کی جان بچانے
کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن اس کی روح قفس عنصری سے اڑ چکی تھی۔ خالی پنجرہ
رہ گیا تھا۔ جو گویا یہ کہہ رہا تھا کہ مجھ میں رہنے والے پرندے نے تم دونوں پر جان
قربان کر دی ہے۔

ایک بے قصور برہمن کے قتل سے دونوں بھائیوں کے غصہ کا نشہ اتر گیا
تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر پرتاب بولے، "شکتی تم نے یہ کیا کیا۔ تمہاری ہی وجہ سے
یہ برہم ہتیا ہوئی ہے۔ تمہاری جنم پتری دیکھ کر ایک دن جوتشی نے کہا تھا کہ تم میواڑ کا
ستیاناس کرو گے۔ اس وقت مجھے اس کہنے پر یقین نہیں ہوا تھا۔ آج ہو گیا۔ بے
سہارے سمجھ کر میں نے تم کو بلایا تھا لیکن غلطی ہوئی اب سمجھتا ہوں۔ میری محبت کا
بدلہ تم نے سازش اور ناشکرے پن سے دیا ہے۔ ہائے جس کو میں بھائی سمجھتا تھا وہ
دشمن نکلا۔ جسے میں حب وطن سمجھتا تھا وہ نمک حرام نکلا جسے میں رحم سمجھتا تھا وہ ظلم
نکلا۔ آب حیات زہر ہو گیا۔ تم ستیاناس کرنے والے ہو۔ اب میں تمہیں میواڑ میں زیادہ

نہیں رکھ سکتا۔ اسی وقت تم میری سلطنت سے نکل جاؤ۔

پرتاپ کی اس لتاڑ کو سُن کر سکتی سنگھ شرم کے مارے پانی پانی ہو گئے۔ انہیں غصہ بھی آیا۔ وہ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوئے اور چپ چاپ وہاں سے نکل کر دہلی چلے گئے۔ اسی دن سے پرتاپ نے ایک بھائی کھو دیا۔ اور مغل شہنشاہ اکبر کو ایک ساتھی مِل گیا۔

اٹھارھواں باب

پرتاپ اور مان سنگھ

راجپوتانہ کے کئی راجہ اپنی بہن بیٹیوں کی شادی اکبر کے ساتھ کر اُس کے عزیز رشتے دار بن گئے تھے۔ ان میں سے آمیر کے راجہ بھگوانداس کے بیٹے مان سنگھ بھی ایک تھے۔ راجپوتوں کا اپنی لڑکیاں مسلمانوں کے ہاتھ سونپ اونچے اونچے عہدے حاصل کرنا مہارانا پرتاپ کو بہت کھٹکتا تھا۔ اس لئے وہ چھتری خاندان کے کلنک مان سنگھ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مان سنگھ ایک چتر حوصلہ مند اور ماہر جنگ آدمی تھے۔ پرتاپ بھی کبھی کبھی ان کے مذکورہ بالا اوصاف کی تعریف کیا کرتے تھے۔ لیکن دنیاوی عیش و عشرت اور حکومت کی خواہش سے اپنے خاندان کی

تو یہ لو۔ یہ کہہ کر اس نے وہ کٹار اپنے کلیجے میں بھونک دی اور وہیں گر پڑا اور شہزادہ پر قربانی دیدی۔ اس کے خون سے زمین لال ہوگئی۔ اور قریب تھا کہ گھوڑے کے پاؤں سے اُس کا سر کچلا جاتا اتنے میں دونوں بھائی اپنے اپنے گھوڑوں کو روک کر نیچے کود پڑے۔

یہ قربانی ایسی نہ تھی کہ اس کا اثر شہزادوں پر نہ ہوتا۔ اس دردناک نظارے کو دیکھ کر دونوں کے دل دھڑکنے لگے اور دونوں ہی جلدی جلدی پروہت کی جان بچانے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن اس کی روح قفس عنصری سے اُڑ چکی تھی۔ خالی پنجرہ رہ گیا تھا۔ جو مانو یہ کہہ رہا تھا کہ مجھ میں رہنے والے پرندے نے تم دونوں پر جان قربان کر دی ہے۔

ایک بے قصور برہمن کے قتل سے دونوں بھائیوں کے غصہ کا نشہ اُتر گیا تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر پرتاب بولے، شکتی تم نے یہ کیا کیا۔ تمہاری ہی وجہ سے یہ برہم ہتھیا ہوئی ہے۔ تمہاری جنم پتری دیکھ کر ایک دن جوتشی نے کہا تھا کہ تم میواڑ کا ستیاناس کروگے۔ اس وقت مجھے اس کہنے پر یقین نہیں ہوا تھا۔ آج ہوگیا۔ بے سہارے سمجھ کر میں نے تم کو بلایا تھا۔ لیکن غلطی ہوئی اب پچھتاتا ہوں۔ میری محبت کا بدلہ تم نے سازش اور ناشکرے پن سے دیا ہے۔ ہائے جس کو میں بھائی سمجھتا تھا وہ دشمن نکلا۔ جسے میں حب الوطن سمجھتا تھا وہ نمک حرام نکلا جسے میں رحم سمجھتا تھا وہ ظلم نکلا۔ آب حیات زہر ہوگیا۔ تم ستیاناس کرنے والے ہو اب میں نہیں چاہتا کہ میں زیادہ

مہارانا کے ایک بھائی شکتی سنگھ کنبھل گڑھ میں رہتے تھے۔ پرتاپ کی طرح شکتی سنگھ بھی ایک حوصلہ مند اور بہادر آدمی تھے۔ رانا نے گدی پر بیٹھتے ہی اس اُمید سے انہیں اپنے پاس بلا لیا تھا کہ شاید ان کی مدد سے وہ چتوڑ کو مسلمانوں کے ہاتھ سے آزاد کر سکیں کچھ دنوں تک تو پرتاپ اور شکتی سنگھ میں بڑا میل رہا۔ آہستہ آہستہ حسد کی آگ جلنے لگی۔ پرتاپ کا دن بدن عروج شکتی سنگھ کے لئے ناقابل برداشت ہو اُٹھا۔ وہ دل ہی دل میں کہا کرتے تھے کہ صرف بڑا ہونے سے ہی کوئی اچھا نہیں بن جاتا۔ پھر اس طرح کا مجلسی اصول کیوں اور کیسے بن گیا۔ اصول تو یہ ہونا چاہئے کہ جو اچھا ہو اسی کو حکومت ملے چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ ایک ماں کے دو بیٹوں میں سے ایک تو حکومت کے مزے اُٹھاوے اور گل چھرے اُڑاوے اور دوسرا دانہ دانہ کے لئے در در بھکاریوں کی طرح بھٹکتا پھرے۔ یہ کیسا انصاف؟ وقت کے ساتھ حسد و بغض بھی بڑھنے لگا۔ دل ہی دل میں رہنے والی حسد کی آگ کا شعلہ اب باہر بھی دہکنے لگا۔ غصہ میں آکر شکتی سنگھ وقت بے وقت اپنے پاس والوں کے سامنے پرتاپ کی ہنسی اڑا اور ان پر طعنے کس کر اپنے حق کو قائم کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

ایک دن دونوں بھائی شکار کے لئے جنگل میں پہنچے ساتھ میں سردار۔ اُمرا۔ خاندانی پروہت اور کچھ سرکاری ملازم بھی تھے۔ سب لوگ دن بھر جنگل میں گھومتے رہے پر کوئی شکار نہ ملا۔ شام کے وقت نا اُمید ہو کر جب وہ گھر لوٹ رہے تھے۔

महाराणा प्रताप

وہیں مرکر وہ بہشت کو پہنچ گیا۔

صبح سے تیسرے پہر تک یہ جنگ ہوتا رہا۔ اور جب کوئی راجپوت نہ رہ گیا تب بند ہوا۔ اکبر کو روکنے والا اب کوئی نہیں رہا۔ خون کی ندیوں کو پار کرتا ہوا لہو کے کیچڑ میں اپنے پاؤں کو بھگوتا اور لاشوں کو ٹھکراتا ہوا وہ قلعہ کے اندر گیا۔ غصہ میں آکر اس نے قتل عام اور خوبصورت راج محلوں اور سفید اٹاریوں کو گرانے کا حکم دیدیا۔ جن نقاروں کی آسمان کو گونجا دینے والی آواز سے چتوڑ کے راجہ کا آنا جانا معلوم ہوتا تھا جو بیش قیمت دیوٹ بھگوتی چتربھجی دیوی کے مندر کو سجاتی تھی اور خوبصورت کواڑ جو قلعہ کے دروازے پر لگے ہوئے تھے۔ ان سب کو شہنشاہ نے اپنے بننے والے اکبرآباد (آگرہ) کو سجانے کے لئے بھیج دیا۔ تین دن تک بادشاہ وہیں رہا۔ پھر چتوڑ کا قبضہ عبدالمجید آصف خاں کے سپرد کرکے وہ اجمیر چلا گیا۔

یہ سب کچھ ہوا لیکن اکبر ایک سچے دل والا اور آدمی کی سچی آزمائش کرنیوالا انسان تھا جیمل اور پتہ کی بہادری سے وہ نہایت خوش ہوا اور ان بہادروں کی یاد قائم رکھنے کے لیئے اس نے ان کی مورتیاں ہاتھی پر کھدوا کر اپنے قلعہ میں رکھوائیں۔ یہ مورتیاں کئی برس تک وہاں رہیں لیکن ازاں ہندوؤں کے دشمن اورنگ زیب نے انہیں زمین میں دفن کروادیا۔ ان مورتیوں کے نیچے یہ لکھا ہوا تھا۔

جیمل بڑتا نہ جیمنے پتو ڈادیں پاس ہندو چڑھیا ہاتھیاں اڑیو جس آکاس

(مطلب) جیمل داہنی طرف اور پتہ بائیں طرف ہے۔ اس طرح ہاتھی ہندو ہاتھی پر چڑھے ہوئے ہیں اور ان کی بڑائی آسمان تک پہنچ گئی ہے۔

"ایک لنگ جی کی جے" اور "اللہ اکبر" کی آواز سے آسمان پھٹنے لگا۔ جے مل کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی۔ اور وہ اس قابل نہ تھا کہ اپنی پوری طاقت سے لڑتا پھر بھی وطن کے نام پر مٹنے کے لئے جب وہ سب سے آگے آیا تو اُس کے ساتھی راجپوتوں کو رحم آ گیا اور اسے لوٹ جانے کو کہا۔ لیکن وہ کہاں ماننے والا تھا؟ وہ تو اپنی زندگی وطن کے سپرد کر چکا تھا۔ اس نے کسی کی نہ سنی اور لڑنے کے لئے بے چین ہو اٹھا خواہش ہوتے ہوئے بھی لڑنے میں ناقابل دیکھ جیل کے کلاّ نامی ایک رشتہ دار نے اسے اپنے کندھے پر بٹھالیا۔ اور کہا کہ اب لڑکر اپنی خواہش پوری کرو۔ دونوں نے ننگی تلواریں ہاتھوں میں لے لیں اور لڑتے ہوئے ہنومان اور بھیرو پول کے درمیان مارے گئے۔ جیل کے مرتے ہی پتہ کو غصہ آگیا اور اب وہ بھیانک جنگ کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے راجپوت بھی شیر کی طرح لڑنے لگے۔ توپیں گرجنے۔ جوشیلے سپاہی چلانے ہاتھی چنگھاڑنے اور زخمی بہادر کراہنے لگے پتہ کی تلوار کے حملے سے اپنی فوج کو کافور کی طرح اُڑتے دیکھ اکبر کے ہوش اُڑ گئے اسی وقت اس نے سکھلائے ہوئے ہاتھیوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ جو کچل کچل کر راجپوتوں کو عالم بقا کی سیر کرانے لگے۔ مغل سپاہیوں کو چھوڑ راجپوتوں نے بھی ہاتھیوں کی سونڈیں اور دانت کاٹ کاٹ کر گرانا شروع کیا۔ کئی ہاتھی مارے گئے اور کئی دونوں طرف کے سپاہیوں کو کچلتے ہوئے جان لے کر بھاگ نکلے۔ اسی دوڑ دھوپ میں ایک ہاتھی نے پتہ کو سونڈ سے پکڑ کر زمین پر دے مارا جس سے

چھوٹے چھوٹے دودھ پیتے بچے بھی آگ کی نذر ہوئے تھے۔ اپنے بیٹے سے وداع لے کر چتا پر چڑھتے وقت پتہ کی ماں اسے نصیحت کرنے لگی۔

"بیٹا، میواڑ کی حفاظت کا بوجھ اب تمہارے سر پر ہے۔ ایک ایک کر کے سب چھتری لڑائی میں کام آ چکے ہیں، قلعہ میں تو اب زیادہ ہتھیار رہی ہیں اور سامان رسد جیمل کی ٹانگ ٹوٹنے سے راجپوتوں کا رہا سہا حوصلہ بھی جاتا رہا ہے۔ معاملہ بڑا مشکل ہے چاروں طرف یاس کے بادل چھائے ہوئے ہیں مغل قلعہ لیا ہی چاہتے ہیں چتوڑ کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہیں۔ لیکن چھتریوں کی عزت کی حفاظت تم پھر بھی کر سکتے ہو۔ بیٹا اکبر کو دکھا دو کہ جنگی ہنر اور حوصلہ اور سچی بہادری کسے کہتے ہیں اکبر کو بتلا دو کہ راجپوت جان دے کر بھی اپنے مذہب شان اور عزت کی حفاظت کرتے ہیں اور ایک غیر ملکی وغیر مذہب کے ہندوشان کو مٹانے والے شہنشاہ کے سامنے چاہے وہ کتنا ہی طاقتور اور جلال والا ہو سر جھکانے کو اپنی گھری تہک سمجھتے ہیں بیٹا تم ایک چھترانی کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو۔ اس لئے کل اپنی راجپوتی کا جوہر بتلا کر اور دشمنوں کے دانت کھٹے کر کے دنیا سے وداع لو۔" والدہ کے الفاظ سے پتہ کی رگ رگ میں بہادری کا جوش امنڈ آیا اور اس نے عہد کیا کہ "ماتا ایسا ہی ہو گا۔"

دوسرے دن صبح ہوتے ہی اکبر کی فوج نے قلعہ پر حملہ کیا۔ راجپوتوں نے بھی قلعہ کے پھاٹک کھول لئے۔ اور بھوکے بھیڑیوں کی طرح مغلوں پر ٹوٹ پڑے اور بہر بہادری

اور اسی کے ساتھ پچاس ہزار میواڑی پتنگوں کی طرح آسمان میں اڑنے لگے۔ تھوڑی
دیر کے بعد جب چاروں طرف امن ہوا تو مغل فوج ٹوٹی ہوئی دیوار کی راہ سے اندر
گھسنے کی کوشش کرنے لگے۔ اُدھر سے راجپوت بھی آگئے دونوں فریقین میں مار
کاٹ ہو رہی تھی کہ اتنے میں اچانک دوسری سرنگ بھی اُڑی دو سو مغل اور کچھ
راجپوت سپاہی تباہ ہو گئے۔ سرنگ پھٹنے کی بھیانک آواز پچاس کوس تک چاروں
طرف سنائی دی۔ پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے کئی کوسوں تک اُڑ گئے اور
آدمیوں کے جھنڈ کے جھنڈ تباہ ہو گئے۔

ادھر اکبر کی فوج قلعہ کو توڑنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن راجپوت بھی خاموش
نہ بیٹھے تھے۔ جہاں کہیں توپوں سے دیوار ٹوٹ جاتی وہ روئی تیل کڑاہی جلا کر
[illegible] سے روکتے تھے۔ اگر موقعہ ہوا تو تھوڑی بہت مرمت بھی کر دا
[illegible] مشعل جلا کر دیوار کی مرمت کروا رہا تھا کہ اکبر نے تاک کر
[illegible] وہ سنگرام ہو گیا جے مل کے بے کام ہوتے ہی راجپوتوں کا
[illegible] نے اپنے بچوں اور عورتوں کو جوہر کرنے کی اجازت
[illegible] آگ کے لال لال شعلے نکلنے لگے۔ اس کی وجہ
[illegible] کبر سے کہا کہ اب ہوشیار ہو جائیے راجپوتوں
[illegible] گے۔
[illegible] خود کیا تھا چترانیوں کے [illegible] وقت

ٹیڈی دل کی طرح اُمڈتی ہوئی بے شمار مغل فوج سے چتوڑ کو محصور دیکھ اودے سنگھ نے اپنے سرداروں کی مجلس کران سے پوچھا کہ کس طرح اس مصیبت کا سامنا کرنا چاہیئے۔ بہت دیر تک بحث ہوتی رہی۔ آخر میں سب نے اس بات پر زور دیا کہ رانا کا معہ قبیلے کے یہاں سے چلے جانا ہی مناسب ہوگا۔ کیونکہ اکبر کی طاقت بہت زبردست ہے اور راجپوت دوسرے دشمنوں سے لڑکر اپنی طاقت زیادہ تر خرچ کر چکے ہیں۔ رانا کو سرداروں کی رائے ماننی پڑی۔ چتوڑ کی حفاظت کی ذمہ داری بدنور کے جیمل اور آمیٹ کے بہادر پتہ کو سونپ کر وہ کچھ سرداروں کو ساتھ لے اراولی کے پہاڑی سلسلوں میں چلے گئے۔ قلعہ کی حفاظت کے لئے صرف آٹھ ہزار بہادر راجپوت پیچھے رہے۔

اکبر اودے سنگھ کو تابع کرنے لئے میواڑ میں آیا تھا۔ اس لئے اس نے جب سُنا کہ اودے سنگھ قلعہ سے نکل کر چلے گئے ہیں تو اسے بڑی نااُمیدی ہوئی اور اب سرنگ لگاکر قلعہ کو توڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ سرنگ کے بنوانے میں اکبر کے روزانہ ہزاروں روپئے خرچ ہوتے تھے اور اوسطاً دو سو مزدور روزانہ مرتے تھے جن کی لاشیں دیواروں میں چن دی جاتی تھیں۔ دھن کے لالچ سے نئے مزدور روزانہ آجاتے تھے۔ زبردستی کسی کے ساتھ نہیں کی جاتی تھی۔ دو تین ہفتوں میں دو بڑی سرنگ تیار ہوگئیں۔ ایک میں ایک سو بیس من اور دوسری میں اسّی من بارود بھرنے کے بعد ایک سرنگ میں آگ لگادی گئی۔ جس سے قلعہ کی دیوار اُڑ گئی

سولھواں باب

بہادر جے مل اور پتّہ

(چتوڑ پر تیسرا حملہ)

مغل شہنشاہ اکبر کا خیال تھا کہ کنواہ کے جنگ میں اور اس کے بعد بہادر شاہ سے لڑتے وقت جو بھاری نقصان میواڑ کو اٹھانا پڑا ہے اس سے سنبھلنے میں اسے کئی برس لگیں گے۔ وہ سمجھتا تھا کہ میواڑ کے اچھے دن اب بیت گئے۔ لیکن یہ اُس کا وہم تھا۔ راجپوتی طاقت کا اصلی پتہ اُسے اس وقت لگا جب اودے سنگھ نے گدی پر بیٹھنے کے چار برس اندر ہی اپنے باپ دادا کی ساری وراثت دشمنوں کے ہاتھ سے چھین لی۔ اکبر اس سے بڑا حیران ہوا اور اودے سنگھ کی دن بدن بڑھتی طاقت کو روکنے کے لئے اس نے چتوڑ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ بہانہ بھی جلدی مل گیا اودے سنگھ نے مالوہ کے حاکم باز بہادر کو جو اکبر کے ڈر سے بھاگ آیا تھا اپنے یہاں پناہ دی تھی۔ اسی بہانہ سے اکبر نے ۱۵۶۷ء میں چتوڑ جیتنے کو نکلا اور کوٹہ۔ منڈل گڑھ وغیرہ کے قلعوں کو فتح کر اس نے چتوڑ کے چاروں ڈال دیا۔

کونے کونے سے لوگ آتے اور کھلے دل سے تعریف کرتے ہوئے اپنا جی بھر کر کے گھر لوٹتے ہیں۔

مہارانا اودے سنگھ نے جب یہ شہر بسایا تھا اس وقت اس کی یہ شکل نہ تھی۔ اس وقت تو وہ پوری طرح سے بسا بھی نہ تھا۔ اس لئے مہارانا کبھی کنبھل گڑھ اور کبھی چتوڑ میں ہی رہتے تھے۔ ایک دن راناجی گوگندا گاؤں میں آئے اور بیمار ہونے کی وجہ سے کچھ دن وہیں رہے وہیں ۱۵۷۲ء کی اٹھائیس فروری کو انھوں نے رحلت فرمائی۔

مرتے وقت مہارانا نے ایک نہایت ہی نامناسب کام کیا وہ یہ کہ اپنے بیٹوں میں جھگڑے کا بیج بو گئے۔ میواڑ کا یہ قاعدہ ہے کہ والد کی موت کے بعد سلطنت کا حقدار اس کا بڑا لڑکا ہوتا ہے۔ مہارانا اودے سنگھ نے اس پرانی رسم کا خیال نہ کیا گدی نشینی کا حق اپنے بڑے لڑکے پرتاب کو نہ دے کر انھوں نے اپنے چھوٹے لڑکے جگمال کو دیدیا۔ جب راناجی کو جلانے لے گئے۔ تب تلک تو جگمال ہی گدی پر بیٹھے رہے۔ لیکن وہاں سے آنے پر سب سرداروں نے مل کر پرتاپ کو گدی پر بٹھا دیا۔ اور جگمال سے کہا کہ آپ کو وہم ہو گیا ہے اس آسن پر بیٹھنے کا حق آپکو نہیں۔ پرتاب کو ہے۔ آپ کی بیٹھک گدی کے سامنے ہے۔ اس لئے آپ کو وہاں بیٹھنا چاہیئے۔ اس پر ناراض ہو کر جگمال وہاں سے چلا گیا اور مغل شہنشاہ اکبر سے جا ملا۔ سب سرداروں نے پرتاب سنگھ کو نذرانہ کیا اور گوگندے سے کنبھل گڑھ گئے جہاں ان کی تخت نشینی کا جشن بڑی خوشی اور دھوم دھام سے منایا گیا۔

بعد مہارانا کے بڑے لڑکے پرتاپ سنگھ کے لڑکا پیدا ہوا۔ اس موقعہ پر اودے سنگھ جی اپنے دیوتا شری ایک لنگ جی کے درشن کرنے کے لئے کیلاش پوری (میواڑ) گئے اور وہاں سے لوٹتے وقت شکار کے لئے آہاڑ کی طرف مڑے۔ راستے میں ان کو بیڑج دریا ملا۔ جس کا کل کل کی آواز کرتا ہوا صاف پانی پہاڑوں سے نکل کر میدان میں بہہ رہا تھا۔ آس پاس کی ہریالی رونق کو دیکھ مہارانا کا دل مست ہو گیا اور انھوں نے اپنے سرداروں سے کہا کہ چتوڑ ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ اس لئے جب کوئی دشمن آن کر اس کا محاصرہ کرتا ہے تب بڑی مشکل ہوتی ہے۔ باہر سے کھانے پینے کا سامان نہ آسکنے کی وجہ اور قلعہ کے محافظوں کے اندر قید ہو جانے سے کبھی کبھی بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر ان پہاڑوں میں دار السلطنت بسایا جائے تو آئندہ اس قسم کی رکاوٹیں نہ رہیں گی۔ رانا کی اس سوجھ کی ساتھیوں نے بڑی تعریف کی۔ اور سب کی صلاح سے انھوں نے وہاں شہر بسانا شروع کیا اور محل بھی بنوائے جن کے ٹوٹے ہوئے کھنڈر آج بھی موتی محل کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کے کچھ دن بعد مہارانا کو بھولا ناؤ کے پاس ایک سادھو ملا۔ جس نے کہا کہ اگر تم اس مقام پر شہر بساؤ گے تو تمہاری شان اور طاقت دن بدن عروج پائے گی اور میواڑ پر ہمیشہ کے لئے تمہاری اولاد کا قبضہ بنا رہے گا۔ اس پر مہارانا نے پہلا مقام چھوڑ سادھو کی بتائی ہوئی جگہ پر شہر بسانا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ ترقی کر کے اس شہر نے موجودہ اودے پور کی شکل اختیار کر لی۔ جس کے قدرتی نظارے اور خوبصورتی کو دیکھنے کے لئے دنیا کے

کسی دوسرے کو سونپا ہوتا تو بات دوسری تھی۔ اس نے تو اپنے ہاتھ سے چھری بھونک کر یہ ثواب کمایا تھا۔ اور اپنی آنکھوں سے بچے کو تڑپ کر۔ چیخ مار کر مرتے دیکھا تھا۔ پھر وہ کون سا منتر تھا۔ جس کے زور سے اودے سنگھ دوبارہ زندہ ہو گیا۔ اسے نہایت زیادہ دُکھ اور بے اُمیدی ہوئی۔ اپنی حکومت کو بہت دیر تک قائم رکھنے کے لئے بچارا بن بیر دن رات بھگوان شری ایک لنگ جی کے نام کا جپ کیا کرتا تھا لیکن مصیبت کے وقت اُنھوں نے بھی سہارا نہ دیا۔ بن بیر بڑی سوچ وچار میں پڑ گیا وہ اس خبر کے متعلق نہ ہاں کہہ سکا اور نہ نا۔ زیادہ وقت بھی نہ تھا اس لئے اُس نے ڈنکا پیٹنا شروع کیا کہ اودے سنگھ کے زندہ رہنے کی بات سچی نہیں ہے بلکہ جھوٹ ہے لیکن جنگل کے رونے کی طرح اس کی بات کسی نے نہ سُنی۔ اتنے میں پھر خبر آئی کہ اودے سنگھ فوج لے کر بہت پاس آ چکے ہیں۔ اس پر سب طرح کے ارادے و منصوبے چھوڑ کر بن بیر اودے سنگھ کا سامنا کرنے کی خواہش سے فوج کے ساتھ چتوڑ سے نکلا۔ ماہولی کے پاس دونوں فوجوں میں گھمسان لڑائی ہوئی۔ دونوں طرف کے کئی بہادر کام آئے۔ آخر بن بیر کی فوج ہار گئی اور وہ وہاں سے ایسا بھاگا کہ آج تک اس کا پتہ نہ لگا۔

چتوڑ پہنچکر اودے سنگھ جی راج گدی پر رونق افروز ہوئے۔ کئی برسوں کے بعد آج میواڑ کی رعایا کو سکھ کے سانس لینے کا موقعہ حاصل ہوا۔ اس کے بعد بیس یا بائیس برس تک کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ ۱۵۹۴ء میں گدی نشینی کے بائیس برس

بن بیر جل بھن کر خاک ہو گئے اور لال لال آنکھیں نکال کر دانت پیستا ہوا
اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اُس کے غصّہ کی کچھ بھی پرواہ نہ کر کے راوت خاں اپنی
جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور سیدھا کنبھل گڑھ چلا گیا۔

اودے سنگھ کے خفیہ طور پر وہاں رہنے کی اطلاع پہلے ہی اسے مل چکی تھی
وہاں پہنچ کر بن بیر کا سارا کچا چٹھا اس نے آشا شاہ سے کہہ سُنایا۔ اور کہا کہ
اودے سنگھ کو اب زیادہ دنوں تک چھپا رکھا تو ملک برباد ہو جائے گا۔ دوسرے
ہی دن میواڑ کے بڑے بڑے سرداروں کے پاس کنبھل گڑھ میں آنے کا نیوتہ بھیجا
گیا۔ جب سب سردار آ گئے تو آشا شاہ نے اودے سنگھ کو سب کے سامنے حاضر کیا
اور کس طرح سے بن بیر کی غصّہ بھری آگ میں اپنے بیٹے کو قربان کر پنا نے ان کی
جان کی حفاظت کی تھی، اس کا بھی دل دہلا دینے والا سارا قصّہ کہہ سنایا۔ آشا شاہ
کی بات پر پہلے تو کسی کو بھروسہ نہ ہوا۔ لیکن پنا نے جب خود اپنی دکھ بھری کہانی بیان
کی تو سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور سب کا شک بھی دور ہو گیا۔ اسی دن،
سرداروں نے اودے سنگھ کا راج تلک کیا۔ دو چار دن گدی نشین کی دھوم
دھام رہی پھر ایک فوج لیکر اودے سنگھ بن بیر کو سزا دینے کے لئے کنبھل گڑھ
سے روانہ ہوئے۔

اودے سنگھ کے راج تلک کی خبر جب بن بیر کے پاس چتوڑ پہنچی تو اُسے
بڑا اچنبھا ہوا۔ یہ خبر اُس کے لئے پہیلی ہو گئی۔ اگر اودے سنگھ کے قتل کا کام اس نے

خاک میں مل گئیں۔ انہیں اب معلوم ہوا کہ کمینے اور لالچی بن بیر کو گوہل خاندان کی گدی پر بٹھا کر انھوں نے کوئی عقلمندی کا کام نہیں کیا بلکہ اُلٹی بلا مول لے لی ہے۔ وکرمادت کا میواڑ کی گدی پر پیدائشی حق تھا۔ اس لیے وہ بُرا بھلا جیسا بھی سلوک اُن کے ساتھ کرتا وہ اسے برداشت کرتے تھے۔ لیکن ایک مغرور نیچ اور شاہی غرور سے متوالے غلام زادہ کی دھینگا دھینگی وہ برداشت نہ کر سکے اور کھلم کھلا اس کی بے عزتی اور اُس کے حکم کی نافرمانی کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

راج محلوں میں ایک دن دعوت ہوئی۔ بن بیر اور سب سردار اس میں شامل ہوئے سب لوگ اپنی اپنی عزت اور درجے کے مطابق اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے کھانا تناول کر رہے تھے۔ اسی وقت اپنے تھال میں سے تھوڑی سی جھوٹی مٹھائی اُٹھا کر بن بیر نے گوہار یا والوں کے بزرگ راوت خاں کو دی اور کہا کہ تم بھی اسے کھا کر دیکھو مزا اچھا ہے غلام زادے کا جوٹھا کھا کر اپنا ایمان خراب کرنا راوت خاں کو منظور نہ تھا۔ اس لئے زیادہ کھانے کی خواہش نہ ہونے کا بہانہ کر اس نے بن بیر کی بات ٹال دی۔ لیکن بن بیر بھی سیدھی طرح سے ماننے والا آدمی نہ تھا۔ اس نے کہا کہ یہ تو تمہارا بہانہ ہے۔ مجھے ٹھیک جان کر تم مجھ سے پرہیز اور نفرت کرتے ہو اور یہی وجہ ہے کہ تم میرے ہاتھ سے چھوئی ہوئی مٹھائی کھانا نہیں چاہتے۔ اس کے جواب میں راوت خاں نے کہا کہ میں نے تو اپنے منہ سے ایسی نکمی بات نہیں کہی۔ آپ خود جب ایسا کہتے ہیں تو بات بھی ٹھیک ہی ہے۔ راوت کے منہ توڑ جواب سے

محنت سے اُس کی پرورش کرنے لگا۔ پنّا کی دلی خواہش پوری ہوئی کنبھل میر میں
اُسے کوئی پہچانتا نہ تھا۔ شاید ایک اجنبی عورت کے وہاں رہنے سے کسی کو شک ہو
یہ سوچ کر وہ جلدی ہی وہاں سے چتوڑ کے لئے لوٹ پڑی۔

اس طرح سبھی مشکلوں کو پار کر بہادر دھائے پنّا نے رانا کے خاندان کے صرف
ایک ہی جانشین اودے سنگھ کی حفاظت کر اپنا نام اس جہان میں ہمیشہ کے لئے
چھوڑ گئی۔ جب تک دنیا میں راجپوتوں کا نام رہے گا۔ ان کی تواریخ رہے گی۔ ان کی
قربانیوں کا چرچا رہے گا۔ تب تک پنّا کا پاک نام بھی ان کے ساتھ لیا جاوے گا۔

پندرھواں باب

مہارانا اودے سنگھ

اودے سنگھ کی موت سے اپنا راستہ صاف ہوا سمجھ بن بیر اب سرداروں کو اپنے
قابو میں کرنے کے لئے ان پر ظلم پر ظلم کرنے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ چتوڑ کے سب سردار اور
درباری اُس کے خلاف ہو گئے۔ وکرمادت کو گدی سے اتار کر بن بیر کو میواڑ کا
حکمراں مقرر کرتے وقت سرداروں نے سوچا تھا کہ ان کے اس انقلاب سے ملک
کی اصلاح اور اُن کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن ان کی سب اُمیدیں

باہر نکلی۔ باری چتوڑ کی حد سے کچھ دور سنسان جنگل میں بیٹھا پنا کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ جب وہاں پہنچ گئی تو اس کی جان میں جان آئی۔ زیادہ دیر نہ کر وہ دونوں وہاں سے چل پڑے اور دیولئے کے راوت رائے سنگھ کے پاس پہنچے۔ راوت نے ان دونوں کے حوصلے کی بڑی تعریف کی۔ ہمدردی بھی خوب دکھائی۔ لیکن بن بیر کے خوف سے ادوے سنگھ کو اپنے یہاں پناہ نہ دی۔ اس لئے وہ ڈونگر پور کے راول آشاکرن کے پاس گئے۔ لیکن اس نے بھی کچھ نہ کچھ بہانہ نکال کر انہیں وہاں سے روانہ کر دیا۔ بھٹکتے بھٹکتے یہ لوگ کنبھل میر پہنچے۔ اس وقت آشا دے پورا وہاں کا قلعہ دار تھا۔ پنا نے کمار ادوے سنگھ کو آشا دیپرا کی گود میں رکھ دیا اور بولی ،، اپنے مالک کی جان کی حفاظت کیجئے ،، آشا شاہ کو رحم آ گیا۔ لیکن بن بیر کو اپنا دشمن بنانا اسے منظور نہ تھا وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے بڑی اداسی سے پنا کے منہ کی طرف دیکھا اور اپنی لاچاری اور مجبوری ظاہر کرنے ہی کو تھا کہ اتنے میں اس کی والدہ نے کہا ،، بیٹا اپنا فرض نبھانے میں کسی دوسرے سے پوچھنے تاچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ رعایا کا فرض ہے کہ اپنے راجہ کا دکھ دور کرنے کے لئے اپنے آپ کو مٹا دے۔ ادوے سنگھ تیرا راجہ ہے۔ تیری زندگی اور بڑائی کا مالک ہے۔ اس کے شاندار والد رانا سانگا کی وجہ سے تو آج اس عہدے پر پہنچا ہے مستقبل میں کسی طرح کے آنے والی مصیبت کے خیال سے ہی تو اپنے فرض سے مت چوک ،، والدہ کے ان الفاظ سے آشا شاہ کی بزدلی دور ہو گئی۔ اس نے ادوے سنگھ کو اپنا بھتیجہ کہہ کر عام لوگوں میں مشہور کیا اور بڑی

کو اٹھا کر جلدی سے قلعہ سے باہر نکل جانے کو کہا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔

ادھر پنا نے اپنے بیٹے کو اودے سنگھ کے کپڑے پہنا دیئے اور اسے کنارکی جگہ پلنگ پر لٹا دیا۔ پنا کا جسم خوف سے تھرتھرا رہا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کا منہ بار بار چومنے لگی۔ اتنے میں کمرے کے باہر کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی پنا پلنگ سے دور ایک کونے میں کھڑی ہوگئی۔ ایک منٹ کے بعد لہو سے اپنے ہاتھ اور تلوار کو لال کئے ہوئے بن بیر وہاں آن پہنچا۔ اور کڑک کر بولا۔ "اودے سنگھ کہاں ہے" ڈر کے مارے پنا سفید ہوگئی۔ اس کا گلا خشک ہوگیا اور کچھ جواب نہ دے سکی۔ دو بوند آنسو ڈال کر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے کنور کے پلنگ کی طرف اشارہ کردیا بن بیر بجلی کی طرح اُدھر ہی لپکا۔ چراغ کی مدھم روشنی میں خون سے بھری تلوار چمکا اٹھی اور دوسرے ہی لمحہ میں لڑکے کی چھاتی کو پار کرکے باہر نکل آئی۔ بچے نے ایک ہلکی سی چیخ ماری و تھوڑا چھٹ پٹایا اور پھر اس بدقسمت ال کو چھوڑ ہمیشہ کے لئے چل بسا بچے کے بے گناہ خون کے چھینٹے سے دیوار لال ہوگئی۔ سیج لال ہوگئی اور پاپی بن بیر کی تلوار لال ہوگئی دور کھڑی ال کے کپڑے بھی خالی نہ رہے۔ اودے سنگھ کو مرا جان کر حرم سرا کے لوگ دوڑے ہوئے آئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے اور ہائے ہائے مچانے لگے۔ کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ پنا نے اپنے بیٹے کی قربانی دیکر شاہی خاندان کی حفاظت کی ہے۔

جان سے پیارے بیٹے کو کھو کر پنا اس بھروسے والے باری کی تلاش میں قلعہ

حصۂ دوم

باب چودھواں

بہادر دھایا پنا
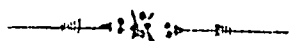
ہمایوں کی وجہ سے چتوڑ کا راج ایک دفعہ پھر دکرما دتیہ کو مل گیا پھر اس بھولے آدمی نے گذشتہ مصیبتوں سے کوئی سبق حاصل نہ کیا جس روکھے اور ہتک کرنے والے طریقہ سے وہ پہلے اپنے سرداروں کے ساتھ برتاؤ کرتا تھا۔ اسی میں

فہرست مضامین تواریخ میواڑ

حصہ دوم

APPROVED BY
THE MEWAR Government

تواریخ میواڑ

مصنفہ

پنڈت موتی لعل مینار یا ایم۔ اے

باہتمام دی میواڑ پبلشنگ ہاؤس

سول ایجنٹ

کالج بک ڈپو اودے پور (میواڑ)